ماهنامه

القاسم

دیوبند

مُدیر مسؤل
وحید الزماں کیرانوی
فاضل دیوبند

مدیر مسئول
وحید الزماں قاسمی کیرانوی
(فاضل دیوبند)

ماهنامہ القاسم دیوبند

شمارہ (۱) جلد
ماہ اکتوبر ۱۹۶۰ء - ربیع الثانی

تاریخ اشاعت	قیمت فی پرچہ	سالانہ چار روپے
انگریزی ماہ کی ۱۵ تاریخ	۳۵ نئے پیسے	بیرونی ممالک سے اس کے مساوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ

مجلہ القاسم کا ایک نقش

ناتمام هدیۂ ناظرین ہے — اس کی آئندہ روش اور مجوزہ طریق کار کا کسی قدر اندازہ موجودہ خاکے سے ہو سکتا ہے جس میں آپ کی منشاء کے مطابق تجربات اور مشوروں کی روشنی میں مستقبل کے ہاتھوں مناسب رنگ آمیزی ہوتی رہے گی۔ (انشاء اللہ)

اگر جناب کو اسلاف کے علمی و فکری جواهر پاروں سے محبت ہے اگر آپ علماء امت خصوصاً اکابر دیوبند کی علمی کاوشوں سے آگاہی کے متمنی ہیں اگر آپ علمی مباحث، مفید معلومات اور تحقیقی و اصلاحی مضامین سے ذہنی آسودگی حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ماہنامہ کی عملی طور پر ہمت افزائی فرمائیں

مضامین

طابع و ناشر — وحید الزماں قاسمی کیرانوی
مطبوعہ — نیشنل پرنٹنگ پریس دیوبند
مقام اشاعت — دار الفکر دیوبند - یو پی

شمارہ (۱) جلد

ماہ اکتوبر ۱۹۶۲ء ۔ ربیع الثانی

ماہنامہ القاسم دیوبند

مدیر مسئول
وحید الزماں قاسمی کیرانوی
(فاضل دیوبند)

تاریخ اشاعت	قیمت فی پرچہ	سالانہ	چار روپے
انگریزی ماہ کی ۱۵ تاریخ	۳۵ نئے پیسے	بیرونی ممالک سے	اس کے مساوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ مجلۂ القاسم کا ایک نقش

ناتمام ھدیۂ ناظرین ہے — اس کی آئندہ روش اور مجوزہ طریق کار کا کسی قدر اندازہ موجودہ خاکے سے ہو سکتا ہے جس میں آپ کی منشاء کے مطابق تجربات اور مشوروں کی روشنی میں مستقبل کے ہاتھوں مناسب رنگ آمیزی ہوتی رہے گی۔ (انشاءاللہ)

اگر جناب کو اسلاف کے علمی وفکری جواھر پاروں سے محبت ہے اگر آپ علماء امت خصوصاً اکابر دیوبند کی علمی کاوشوں سے آگاہی کے متمنی ہیں اگر آپ علمی مباحث، مفید معلومات اور تحقیقی و اصلاحی مضامین سے ذہنی آسودگی حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ماہنامہ کی عملی طور پر ہمت افزائی فرمائیں

:::::

مضامین

طابع و ناشر ——— وحید الزماں قاسمی کیرانوی

مطبوعہ ——— نیشنل پرنٹنگ پریس دیوبند

مقام اشاعت ——— دار الفکر دیوبند ۔ یو پی

شمارہ (۱) جلد
ماہ اکتوبر ۶۲ء ۔ ربیع الثانی

ماہنامہ القاسم دیوبند

مدیر مسئول
وحید الزماں قاسمی کیرانوی
(فاضل دیوبند)

سالانہ چار روپے بیرونی ممالک سے اس کے مساوی	قیمت فی پرچہ ۳۵ نئے پیسے	تاریخ اشاعت انگریزی ماہ کی ۱۵ تاریخ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ مجلۂ القاسم کا ایک نقش

ناتمام ھدیۂ ناظرین ہے — اس کی آئندہ روش اور مجوزہ طریق کار کا کسی قدر اندازہ موجودہ خاکے سے ہو سکتا ہے جس میں آپ کی منشاء کے مطابق تجربات اور مشوروں کی روشنی میں مستقبل کے ہاتھوں مناسب رنگ آمیزی ہوتی رہے گی۔ (انشاء اللہ)

اگر جناب کو اسلاف کے علمی و فکری جواھر پاروں سے محبت ہے اگر آپ علماء امت خصوصا اکابر دیوبند کی علمی کاوشوں سے آگاہی کے متمنی ہیں اگر آپ علمی مباحث، مفید معلومات اور تحقیقی و اصلاحی مضامین سے ذہنی آسودگی حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ماہنامہ کی عملی طور پر ہمت افزائی فرمائیں

......

مضامین

طابع و ناشر ——— وحید الزماں قاسمی کیرانوی
مطبوعہ ——— نیشنل پرنٹنگ پریس دیوبند
مقام اشاعت ——— دار الفکر دیوبند ۔ یو پی

ماہنامہ القاسم کا

مجوّزہ طریق کار

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نَحمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُولِہِ الکَرِیم

خدا اور اس کے رسول سے محبت رکھنے والے ہر دور میں تبلیغ دین کا اہم کام انجام دیتے رہے۔ انکا نصب العین اور مقصد زندگی صرف یہ رہا کہ احکامِ شریعت پر عمل پیرا ہو کر دوسروں کو دین کی ہدایات سے آگاہ کریں اور انہیں صراطِ مستقیم پر چلنے کی دعوت دیں، اس سلسلہ میں وہ ہر نوع کی دشواریوں کا نہایت استقلال و پامردی کے ساتھ مقابلہ کرتے رہے اور اس راہ میں زر و مال اور متاعِ زندگی قربان کر کے حیاتِ جاودانی کے مستحق بنتے رہے۔

اسلافِ امت کی مخلصانہ مساعی کی بدولت اس گئے گذرے زمانہ میں بھی دینی احساس اور مذہبی شعور کے تھوڑے بہت آثار نظر آتے ہیں، اگر ہم اس بات کے خواہاں ہیں کہ آئندہ نسلیں دین و مذہب سے بیگانہ اور اس کی تعلیمات سے بے خبر نہ ہونے پائیں تو ہمیں بھی اشاعتِ دین کے سلسلہ میں وہ تمام جائز وسائل اپنانے پڑیں گے جنہیں ہمارے اسلاف نے اختیار کیا۔

اگر ہم اکابرِ امت کی سوانح اور انکی تبلیغی سرگرمیوں کا جائزہ لیں تو یہ نتیجہ حاصل ہو گا کہ دین کی خدمت کے لئے ان کی جد و جہد کی شدت تو برقرار رہی لیکن ان کے طریق کار میں حسبِ ضرورت تبدیلیاں رونما ہوتی رہیں۔ وہ کبھی میدان کارزار میں کفن بردوش اور شمشیر بکف نظر آئے تو کبھی گوشۂ خانقاہ سے انہوں نے جہالت و گمرہی کے خلاف علم جہاد بلند کیا، کبھی مناظرہ کے میدان میں باطل پرستوں سے نبرد آزما ہوئے تو کبھی مسند درس و تدریس سے سماج کی اصلاح اور معاشرے کی تعلیم و تہذیب کا بیڑا اٹھایا، ان کے جوشِ عمل کا دھارا اپنا رخ تو بدلتا رہا لیکن اس میں کبھی ٹھہراؤ نہیں پیدا ہوا، اگر ایک سمت جادہ پیمائی بے سود اور غیر نفع بخش نظر آئی تو عارضی طور پر دوسرا راستہ اختیار کر لیا گیا، اس طرح وہ ذاتی منا اور غلط مصالح سے بالاتر ہو کر دین کی خدمت و اشاعت میں مصروف و منہمک رہے۔

یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ آج ہم تبلیغ دین کی صرف ان راہوں پر چلنے کے عادی بن چکے ہیں جن کی رکاوٹیں ہمارے پیش روؤں نے

[illegible] اور جن کے کانٹے ہمارے اسلاف
[illegible] آشنا اور آبلہ طلب قدموں کی بدولت
دور ہو چکے ہیں — اور کام کی وہ راہیں جو ذرا
دشوار گذار یا صبر آزما ہیں ان سے بلطائفِ
حیل گریز اختیار کرنے کی کوشش کرتے ہیں ،
اگر ہم نئی پود اور آئندہ نسلوں میں دینی احساس
شعور کی بقاء اور اس صحیح نشو و نما کے خواہاں ہیں
تو ہمیں اپنے اسلاف کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے
طریقِ کار میں کسی قدر لوچ اور طرزِ عمل میں .....
ہمہ گیری و استحکام پیدا کرنا ہوگا ۔

خدمت دین کی بعض موجودہ صورتیں اپنی
اہمیت کے لحاظ سے غیر معمولی حیثیت کی حامل
ہیں اور ان کی افادیت سے انکار کی گنجائش
نہیں لیکن لٹریری میدان میں ہمارا افلاس اور
صحافتی پہلو سے ہماری بے مائگی قابل توجہ ضرور
ہے ، اس سلسلہ میں کسی قابل ذکر پیش رفت
کی توقع اس وقت تک دشوار ہے جبتک کہ
آزمائش کے کرخت ہاتھ ہماری خوش فہمیوں اور
خود فریبیوں کے پردے چاک نہ کر دیں ممکن
ہے کہ مستقبل قریب میں ہم مجبوراً اس موضوع پر سنجیدگی
کے ساتھ غور کرنے کی زحمت گوارا کریں ۔

ہمارے اکابر کی دور رس اور اداشناس
نگاہوں سے مستقبل کے تیور مخفی نہ تھے ، تقریباً
پچیس برس قبل شائع ہونے والے "القاسم"
کے اوراقِ پارینہ مذکورہ حقیقت کا واضح و
بین ثبوت ہیں ، لیکن وہ ع
اک دھوپ تھی کہ ساتھ گئی آفتاب کے

جب حالات کا ورق الٹا تو بعض مخصوص مجبوریوں کے بعد
یہ علمی و اصلاحی صحیفہ بھی اپنا وجود برقرار نہ رکھ سکا ۔
——— تلك أمة قد خلت ....

جہانتک موجودہ ماہنامہ "القاسم" کا تعلق ہے تو اس
کے اجراء کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ ایک جانب وابستگانِ
مسلک علماء دیوبند کو عصری تقاضوں اور مسائل حاضرہ سے
باخبر رکھا جائے اور دوسری جانب اکابر امت اور علماءِ
دیوبند کی علمی کاوشوں سے استفادہ کے شائقین کے
ذوقِ طلب کی تسکین کا سامان بھی فراہم ہوتا رہے ، امید
ہے کہ ناظرین ہمارے مقصد سے متفق ہوں گے ، اس
سلسلہ میں اگر کوئی صاحب اپنے مخلصانہ مشوروں سے ہمیں
نوازنا چاہیں تو ہم انتہائی ممنون ہوں گے ۔

* * * *

رسالہ کی ترتیب کے سلسلہ میں اس امر کا خاص طور
پر خیال رکھا گیا ہے کہ مضامین اپنی علمی ندرت کے باوجود
غیر علمی حلقوں کے لئے بھی باعث دلچسپی ثابت ہوں ۔
ماہنامہ کے بعض مستقل عنوانات مزید محنت اور
توجہ کے مستحق ہیں جس کی پوری رعایت انشاء اللہ آئندہ
شماروں میں ملحوظ رہ سکے گی ، سردست بطور نمونہ چند
چیزیں پیش کر دی گئی ہیں ۔
"معارف القرآن" کے ذیل میں آپ آئندہ قدیم
جدید افکار سے مستفید ہو سکیں گے ۔ اور
"افادات اکابر" کے تحت اکابر امت خصوصاً
اکابر دیوبند کے مخصوص نتائج فکر کی توضیح و تشریح کا سلسلہ
جاری رہے گا جس کی ابتداء قاسم العلوم والخیرات حضرت
مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی اور حکیم الامت حضرت
مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمہما اللہ کے

ی تبرکات سے ہو رہی ہے۔ ارادہ یہ ہے کہ اوراق
ید کے تحت بعض قلمی نوادر یا مطبوعہ لیکن نایاب
ضامین ماہنامے کی زینت بنتے رہیں۔ اس سلسلے
ں البلال مورخہ ۱۳ جولائی ۱۹۱۳ء کا ایک معرکۃ الآراء
مضمون "الجزائر کے دو مجاہد" پیش کیا جارہا ہے۔

* * * *

جو حضرات جدید عربی ادب سے دلچسپی رکھتے ہیں
ن کے لئے "درس عربی" کا مستقل عنوان برقرار
رہے گا۔ اس عنوان کے تحت ایسے اسباق کی مسلسل
ترتیب و اشاعت پیش نظر ہے جو طلبۂ مدارس عربیہ
کے لئے خاص طور پر مفید ثابت ہو سکے، وہ
بتدریج جدید عربی لٹریچر کے مروجہ اسلوب تحریر
سے روشناس ہوں اور ان میں اس درجہ ادبی ملکہ
پیدا ہو جائے کہ مصر و حجاز سے شائع ہونے والے
مجلات وجرائد اور تازہ ترین مطبوعات کا بسہولت
مطالعہ کر سکیں۔

کتاب ہدایت

جب دنیا جہالت وگمراہی میں مبتلا تھی جب شرک بت پرستی کی وبا عام تھی، جب انسان خواہشات نفس کا غلام بن چکا تھا اس وقت ارحم الراحمین کی شانِ رحمت کا ظہور ہوا اور محسنِ انسانیت خاتم الانبیاء جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ پروردگار عالم نے ایک ایسی کتاب نازل فرمائی جس میں ساکنان بزم گیتی کے لئے سامان ہدایت اور جن وانس کے لئے نجات آخرت کا مژدہ تھا جو بلا امتیاز رنگ ونسل تمام انسانوں کے لئے ایک مکمل ضابطۂ حیات بنا کر اتاری گئی خواہ وہ کسی بھی خطۂ ارض کے رہنے بسنے والے ہوں۔

(۱) قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا الَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِىِّ الْاُمِّىِّ الَّذِىْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ۔ (سورۂ اعراف - ۲۰)

(اے پیغمبر) کہدیجئے کہ لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا پیغمبر بن کر آیا ہوں جس کے لئے تمام آسمان اور زمین کی سلطنت خاص ہے، صرف وہی مستحق عبادت ہے اور اسی کے ہاتھ میں رشتۂ موت وحیات ہے سو تم اللہ اور اس کے اس پیغمبر ایمان لاؤ جس نے کسی مخلوق سے تعلیم حاصل نہیں جن کی شان یہ ہے کہ وہ خود بھی اللہ اور اس کے پر ایمان رکھتے ہیں تم ان کی پیروی کرو ممکن ہے تم ہدایت نصیب ہو۔ (مفہوم)

(۲) هٰذَا الْكِتَابُ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ۔

یہ ایک ایسی کتاب ہے جو ہم نے آپ اس لئے عطا کی ہے تاکہ آپ (اس کے ذریعہ) لوگو کو تاریکیوں سے نکالکر روشنی میں لے آئیں۔

(۳) وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ۔

(اے پیغمبر) آپ پر ہم نے ذکر (قرآن) نازل تاکہ آپ لوگوں کے سامنے ان مضامین کی وضاحت کردیں جو ان کی طرف اتارے گئے ممکن ہے کہ وہ غور وفکر کریں۔

غور وفکر اور تدبر سے کام لینے والوں کے دل دماغ کو ذکر حکیم فسق وفجور اور شرک وکفر کی تاریکیوں سے نجات بخش کر ایمان ویقین کی روشنی سے معمور کر دیتا ہے۔

(۴) اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَىْءٍ

هُدًى وَّ رَحْمَةً ۔

(اے پیغمبر) ہم نے آپ پر کتاب نازل کی جو ہر چیز کو وضاحت کے ساتھ بیان کرتی ہے، اور وہ سامانِ ہدایت اور وسیلۂ رحمت ہے۔

(۵) قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتَابٌ مُّبِيْنٌ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ

منجانب اللہ تم لوگوں کے پاس ایک روشنی اور کتابِ مبین آچکی ہے اس کے ذریعہ اللہ سلامتی کی راہوں کی جانب ان لوگوں کی رہنمائی کرتا ہے جو اس کی رضاجوئی میں لگے رہتے ہیں، اور ان کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی جانب لاتا ہے۔

(۶) هٰذَا كِتَابٌ اَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۔

یہ (قرآن) ایسی بابرکت کتاب ہے جس کو ہم نے نازل کیا سو تم اس کی پیروی کرو اور تقویٰ اختیار کرو (اس صورت میں) ممکن ہے تمہیں ہدایت نصیب ہو۔

(۷) وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۔

ہم نے لوگوں کو (سمجھانے کے لئے) اس قرآن میں ہر نوع کی مثال بیان کی ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

(۸) وَاِنَّهٗ لَكِتَابٌ عَزِيْزٌ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ۔

اور وہ (قرآن) ایک ایسی کتاب ہے جس (کے مضامین) میں پورا استحکام ہے، اس کے پس و پیش باطل (اور غلط باتوں) کا کوئی گذر نہیں، (یہ) ایک صاحبِ حکمت اور لائقِ ستائش ذات کی جانب سے اتاری گئی ہے۔

* * *

مذکورہ آیات سے درج ذیل نتائج حاصل ہوتے ہیں:

(۱) قرآن کریم کا بیان کردہ ہر حکم سراسر حکمت پر مبنی ہے کیونکہ وہ حکیم مطلق کا کلام ہے۔

(۲) قرآن کریم سے استفادہ خلوصِ نیت، ایمان و یقین خوفِ خدا اور غور و فکر پر موقوف ہے۔

(۳) قرآن کریم ایک مکمل ضابطۂ حیات ——— اور کامل ترین دستور العمل ہے، اس کی ابدی اور ہمہ گیر تعلیمات سے زندگی کے ہر شعبہ میں رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔

اسلئے

ہم صرف قرآنی ہدایات پر عمل کرکے ایک ——— بامقصد اور پاکیزہ ترین اسلوبِ زندگی اپنا سکتے ہیں۔

* * * *

ارشادِ نبوی

چند روزہ زندگی

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا شانہ پکڑ کر فرمایا:-

"کُنْ فِي الدُّنْيَا كَاَنَّكَ غَرِيْبٌ - او - عَابِرُ سَبِيْلٍ"

(دنیا میں اپنی زندگی کسی غریب الوطن یا راہ رو کے مانند بسر کرو! - بخاری)

* * *

ابن ماجہ کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ،

"اور خود کو ان لوگوں میں شمار کرو جو قبروں میں پہنچ چکے" یعنی ہر وقت آخرت کا تصور مستحضر رہے تاکہ ایک صالح اور پاکیزہ زندگی اپنا سکو۔ ایسی زندگی جس کی آرزو ہر مرنے والے کے دل میں پیدا ہوتی ہے لیکن مرنے کے بعد اس کی تکمیل ناممکن ہو جاتی ہے۔

انسانی زندگی جامد نہیں بلکہ متحرک اور مسلسل متحرک ہے جو مختلف مراحل سے گذر رہی ہے، وہ اس قدر محدود نہیں جیسا کہ ہم نے اس کے بارہ میں تصور کرلیا ہے اور نہ اس کے کسی گوشہ میں مقصدیت کا فقدان ہے، صرف حیات انسانی ہی نہیں بلکہ کائنات کا ایک ایک ذرہ خدا کی حکمت و مشیئت کے مطابق تغیرات کی مختلف منزلوں سے گذر رہا ہے اور اہل خرد اس راز سے بخوبی واقف ہیں کہ ہر شے ارتقاء کے مختلف مدارج طے کر رہی ہے، زندگی کا ہر تغیر اور زمانہ کا ہر انقلاب اپنے پہلو میں رازہائے سربستہ کا ایک گنج گرانمایہ رکھتا ہے جس کے بعض جواہر ریزے گاہے گاہے عقل انسانی کے دامن میں آگرتے ہیں،

ہماری زندگی بعض منزلیں طے کر چکی ہے بعض مراحل سے گذر رہی ہے اور مستقبل کے دھندلے نشانِ راہ کسی دور دراز منزل کا پتہ دے رہے ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ ارشاد سے اس حقیقت کی جانب ہماری رہنمائی ہوتی ہے کہ موجودہ زندگی ہمارے سفر کا انتہائی نقطہ نہیں بلکہ ایک ایسا عبوری دور ہے جس کے ختم ہونے کے بعد ہمیں اصل زندگی حاصل ہوگی جسے ہم اخروی اور ابدی زندگی سے تعبیر کرتے ہیں۔

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ٥ (کیا تمہارا خیال ہے کہ ہم نے تم کو بیکار پیدا کیا اور تم ہماری جانب نہ لوٹائے جاؤگے)

ہماری موجودہ زندگی ہمارے ارتقائی سفر کا وہ نازک ترین مرحلہ ہے جہاں قدم قدم پر نشیب و فراز

جس کے ہر موڑ پر رہزنوں کا خطرہ ہے جہاں تن پروری
اور تن آسانی انسانوں کے قدم بوجھل کرتی ہے
اور جہاں خواہشات نفس کی تکمیل گمرہی و گم گشتگی
کا باعث بن جاتی ہے ۔

ارشاد نبوی کا مقصد یہ ہے کہ دنیا میں انسان
کی حیثیت صرف ایک غریب الوطن اور راہ روجیسی
ہے جیسے پردیسی اپنے اہل وعیال اور وطن میں
پہنچ کر ہی سکون محسوس کرتا ہے اسی طرح
مسافران منزل آخرت اُس وقت حقیقی مسرت سے
ہمکنار ہوں گے جبکہ موجودہ سفر ختم ہو جائے گا
مگر شرط یہ ہے کہ وہ راہ کی نظر فریبیوں سے متاثر
نہ ہوں اور دنیوی لذتوں میں مبتلا ہونے کے بجائے
خدا کی بندگی اور اس کے ساتھ قلبی تعلق کی استواری
میں اپنا وقت صرف کریں یہی ہماری موجودہ
زندگی کا مقصد ہے ۔

پروردگار عالم فرماتا ہے :

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ

(جن و انس کی تخلیق کا مقصد صرف یہ ہے کہ وہ ہماری
(اطاعت) بندگی کریں (مفہوم آیۃ)

اگر ہم نے پروردگار عالم کے ساتھ اپنا قلبی رابطہ
برقرار رکھا تو آخرت کے لئے ہماری جد و جہد کا تسلسل
برقرار رہے گا اور دنیوی علائق ہمارے قلب کو
غافل نہ کر سکیں گے ۔

وہی مسافر آسانی کے ساتھ اپنا سفر پورا
کر سکتا ہے جو خود کو غیر ضروری بوجھ سے سبکدوش
کرلے ۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :

انّما یکفی احدکم من الدّنیا

زادُ الرَّاکب

(تم میں سے ایک شخص کے لئے دنیا کے مال و متاع
سے اس قدر کافی ہے جتنا کہ ایک سوار (مسافر)
زاد راہ اپنے ساتھ لیتا ہے)

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ، آ
ایک چٹائی پر آرام فرما تھے ، چٹائی کے وہ نشانا
آپ کے جسم مبارک پر ابھر آئے تھے انھیں دیکھ کر حض
عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ۔ یا رسول اللہ ! اگ
اس چٹائی کے بجائے کوئی دوسری آرام دہ چیز بچھا
انتظام فرمالیں تو بہتر ہے ۔ آپ نے جواب میں ف
مالی وماللدنیا وماللدنیا ومالی والذی نفسی بہ
ما مثلی ومثل الدنیا الا کراکب سار
یوم عاصف فاستظلّ تحت شجرۃ
من نہار ثم راح وترکھا ۔ (عشرت دنیا سے
کیا واسطہ ؟ اور دنیوی عیش کا مجھ سے کیا تعلق
اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان
دنیا کے ساتھ جو میرا (ظاہری) تعلق ہے ، اس کی م
ایسی ہے کہ ایک سوار کسی ایسے دن سفر کرے جس میں گر
پر ہو ، باد سموم کے تیز و تند جھونکے چل رہے ہوں وہ
کسی درخت کے زیر سایہ ایک گھڑی دوپہر کے وقت آرام
پھر تیسرے پہر اسے چھوڑ کر آگے بڑھ جائے ۔

الغرض ہمارے لئے آخرت کی منزل اسی
آسان ہو سکتی ہے جبکہ ہم دنیا سے بقدر ضرور
تعلق رکھیں ، دنیا کے ساتھ تعلق میں جس قد
ہو گا اسی قدر فلاح آخرت کے حصول میں دشو
پیش آئیں گی ۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"انّ امامکم عقبۃ کئوداً لا یجوزھا المثقلون" (بے شک تمہارے سامنے آخرت کی دشوار ترین گھاٹی ہے جسے وہ لوگ نہ پار کر سکیں گے جو (زیادہ) زیر بار ہیں۔

ایک ایسا مسافر جسے معلوم نہیں کہ اس کے سفر کا انجام کامیابی پر ہوگا یا ناکامی پر؟ بھلا کیسے مطمئن اور مسرور ہو سکتا ہے، جو خوش عیشی و لذت پرستی میں مبتلا ہے، جس کا ذہن فکر آخرت سے خالی اور دل مادی کامیابیوں کے باعث مسرتوں سے لبریز ہے وہ اصل راستے سے بھٹک چکا ہے، اسکی یہ بے فکری عذاب آخرت کا سبب بن سکتی ہے،، آخرت میں ناکام ہونے والوں کا حال بیان کرتے ہوئے پروردگار عالم فرماتا ہے:

وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتَابَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ فَسَوْفَ یَدْعُوْا ثُبُوْرًا وَّیَصْلٰی سَعِیْرًا، اِنَّهٗ كَانَ فِیْۤ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا، اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ یَّحُوْرَ ٥ (قیامت کے دن) جس کا نامۂ اعمال اس کی پشت کی جانب سے دیا جائے گا عنقریب وہ (فرط یاس سے) موت کو پکارے گا اور جہنم رسید ہوگا (یہ) وہ (شخص ہے جو) اپنے اہل وعیال میں خوش وخرم تھا، اسے گمان تھا کہ وہ ہماری جانب ہرگز لوٹ کر نہ آئے گا (اور اس کا سلسلۂ حیات دنیا میں ہمیشہ کے لئے منقطع ہو جائے گا)

اگر ہم نجات آخرت کے خواہاں اور ابدی مسرتوں کے طالب ہیں تو ضروری ہے کہ دل و دماغ کو آخرت کے بارہ میں ہمیشہ فکر مند رکھیں اور جد وجہد کرتے رہیں، کیونکہ قیامت کے دن وہی لوگ کامیاب ہوں گے جو آخرت کے بارہ میں ہمیشہ فکر مند اور خائف رہتے ہیں۔ جنت میں اہل جنت باہم دگر ان اندیشوں کا ذکر بھی کریں گے جو دنیا میں ان کے دل و دماغ پر چھائے رہتے تھے۔ اِنَّا كُنَّا فِیْۤ اَهْلِنَا مُشْفِقِیْنَ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَیْنَا وَوَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ، اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوْهُ اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِیْمُ۔

(واقعہ ہے کہ ہم اپنے اہل عیال میں رہتے ہوئے (عذاب آخرت سے) ترساں تھے، سو اللہ نے ہم پر اپنا فضل فرمایا اور ہمیں عذاب سموم سے محفوظ رکھا، اس میں شک نہیں کہ اس سے قبل (دنیا میں) ہم اس کو پکارا کرتے تھے، در حقیقت وہ بڑی نوازش اور رحمت والا ہے (مفہوم آیہ)

بقیہ صہ ۱۶

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عفو و کرم کو دیکھ کر ان سے خاموش نہ رہا گیا اور کہنے لگیں: یا رسول اللہ! مجھے آج سے قبل روئے زمین پر آپ سے زیادہ کسی سے نفرت نہ تھی لیکن آج میرے نزدیک آپ سے زیادہ کوئی محبوب نہیں ہے۔

بقیہ اقسام حکمت

کے خلاف نظر آئے مگر ایسا اسی وقت ہوتا ہے جبکہ شخصی مفاد پر جمہوری مصالح کو ترجیح دی گئی ہو۔

(باقی آئندہ)

اساسِ کمالات

***

مفہوم افادات

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ

ان کمالات میں سے جن کے ساتھ ذوی العقول متصف ہوتے ہیں علم وعمل کو اساسی حیثیت حاصل ہے۔ قرآن کریم نے جن لوگوں کو سراہا ہے وہ چار گروہوں میں منقسم ہیں: انبیاء، صدیقین، شہداء، صالحین۔ اول الذکر دو گروہوں کے کمالات کا محور علم ہے اور دوسرے دو زمرے وہ ہیں جن کے کمالات میں عمل کو مرکزیت حاصل ہے اگرچہ یہ بات اس امر سے مانع نہیں کہ تمام گروہ ایک دوسرے کے دیگر اوصاف میں بھی شریک ہوں، ایسا ہو سکتا ہے کہ اپنے دیگر اوصاف میں بھی کسی دوسرے گروہ سے بڑھے ہوئے ہوں، لیکن ہر گروہ کو اس کے وصف غالب کے ساتھ ملقب کیا گیا ہے؛ مثلاً انبیاء کرام کا وصفِ علم خود انکے دیگر اوصاف پر غالب ہے اس لئے ان کے تمام اوصاف میں سے صفتِ علم ہی کو مرکزی حیثیت حاصل ہوئی، یہ مطلب نہیں کہ دوسرا اوصاف درجۂ کمال سے خالی ہیں اسی طرح صدیقین کو صدیقیت کے ساتھ ملقب کیا گیا اگرچہ وہ شہداء وصالحین کے زمرے میں بدرجۂ اولیٰ شامل ہیں مگر چونکہ ان کے تمام اوصاف میں صدیقیت ہی کو امتیاز حاصل ہے اس لئے اسی لقب سے پکارا گیا۔

انبیاء اور صدیقین میں فرق

یہ ہے کہ انبیاء ورسل تو منبع علوم اور مؤثر ہوتے ہیں اور صدیقین وہ لوگ ہیں جو ان کے علوم و معارف سے پورے طور پر فیضیاب ہوتے ہیں کیونکہ ان میں کسبِ فیض کی فطری اور غیر معمولی صلاحیت ہوتی ہے، جیساکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"خدا نے جو میرے سینے میں ڈالا تھا وہ میں نے ابوبکرؓ کے سینے میں ڈال دیا"

الغرض فاعلیت وقابلیت اور اثر انگیزی واثر پذیری

کے لحاظ سے نبوت و صدیقیت میں وہی نسبت ہے جو آفتاب اور آئینہ کے درمیان باہمی تقابل کے وقت ہوتی ہے۔ جس طرح نبی کو نبی اس لئے کہتے ہیں کہ وہ لوگوں تک خبر پہنچاتا ہے اور انھیں خبردار کرتا ہے اسی طرح صدیق کو صدیق اسلئے کہتے ہیں کہ اس کا دل صرف سچائی کو قبول کرتا ہے اور جھوٹی بات کو رد کر دیتا ہے، اس سلسلے میں اسے کسی دلیل یا معجزہ کے مشاہدہ کی ضرورت نہیں پیش آتی، بطور مثال یوں سمجھئے کہ معدہ میں اگر شیرینی پہنچتی ہے تو بسہولت ہضم ہو جاتی ہے لیکن اگر کسی طرح مکھی داخل ہو جائے تو فوراً قے کے ذریعہ خارج ہو جاتی ہے، یہ معدہ کا طبعی اور فطری عمل ہے جو کسی دلیل کا محتاج نہیں ہوا کرتا

شہداء اور صالحین

ان دونوں زمروں کے کمالات کا محور عمل ہے لیکن یہاں بھی زمرۂ شہداء میں فاعلیت کی شان ہوتی ہے اور دوسرا زمرہ قابلیت کی استعداد رکھتا ہے۔ پہلے زمرہ میں اثر انگیزی کی صلاحیت ہوتی ہے اور دوسرے میں اثر پذیری کی۔

جب صالحین کی عملی قوت درجۂ کمال کو پہنچ جاتی ہے تو وہ منصب شہادت حاصل کر لیتے ہیں کیونکہ دوسروں کو وہی شخص متاثر کر سکتا ہے جو خود بھی عزم و عمل کا پیکر ہو اور اس کی صلاحیتوں کا دائرہ خود اس کی ذات سے تجاوز ہو کر دوسروں کو اپنے حلقے میں لینے کی پوزیشن حاصل کر لے۔

شہید کو شہید کے لقب سے اسی سے نواز اگیا ہے کہ وہ لوگوں کو بھلائی اور نیکی کا حکم دیتا ہے اور برائیوں سے روکتا ہے، احکام شریعت کے اتباع کے سلسلہ میں لوگوں کے احوال سے اس حد تک واقف ہوتا ہے کہ اس کی یہ واقفیت بمنزلۂ مشاہدہ ہو جاتی ہے اسی لئے قیامت کے دن امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سلسلہ میں سرکاری گواہ کی حیثیت حاصل ہوگی۔

الغرض شہداء اور صالحین دونوں زمروں کے کمالات کی بنیاد عمل ہے، شہیدوں میں فیضانِ عمل اور صالحین میں اس فیضان کو قبول کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے

بقیہ انسان کیا ہے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا آپ ان لوگوں کو مخاطب فرما رہے ہیں جن کی لاشوں میں بدبو پیدا ہو چکی؟ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھ کو رسول برحق بنا کر مبعوث کیا جو کچھ میں ان لوگوں سے کہہ رہا ہوں اس کو تم ان لوگوں سے زیادہ نہیں سنتے، البتہ ان لوگوں میں جواب دینے کی سکت نہیں ہے۔

الغرض انسان کا نفس مادہ اور مادیات سے کہیں زیادہ اعلیٰ اور ارفع شئے ہے لہذا ضروری ہے کہ تکمیلِ خواہشات اور مادی لذتوں سے اجتناب کرتے ہوئے ہم اپنے نفس کی عظمت و برتری حسن و پاکیزگی برقرار رکھنے کوشش کریں۔

افادات حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ

(مفہوم)

اقسام حکمت

حکمت یا (سائنس و) فلسفہ کا مفہوم اسقدر ہمہ گیر ہے کہ تمام علوم اس کے دائرے میں آجاتے ہیں، اور علم شریعت بھی اسی میں داخل ہے کیونکہ حکمت و فلسفہ اشیاء کی حقیقت سے آگاہی کا نام ہے تاکہ اس کے ذریعہ انسان روحانی یا مادی ارتقاء حاصل کر سکے۔

حکمت اپنی نوعیت اور موضوع کے لحاظ سے اولین طور پر دو خاص جہتوں میں منقسم ہو جاتی ہے اگر اس کا تعلق ان موجودات سے ہے جو ہمارے اختیار میں داخل ہے تو اسے حکمت عملی سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور اگر اس کا موضوع وہ چیزیں ہیں جن کا وجود ہمارے اختیار میں نہیں تو اس پر حکمت نظری کا اطلاق ہوتا ہے۔

پھر حکمت عملی اور حکمت نظری میں ہر ایک کی تین قسمیں ہیں کیونکہ حکمت عملیہ کا موضوع اگر وہ امور ہیں جو انفرادی زندگی سے متعلق ہیں تو اس کو علم تہذیب اخلاق کہتے ہیں اور اگر خانگی عائلی امور سے بحث کی گئی ہے تو یہ تدبیر منزل ہے اور اگر کسی ملک یا شہر کے رہنے بسنے والوں کی اجتماعی زندگی سے متعلقہ مسائل کو موضوع بحث بنایا گیا ہے تو اس کو سیاست مدنیہ کہتے ہیں۔

جہانتک حکمت نظری کا تعلق ہے اگر اس کا موضوع خارجی اور ذہنی حیثیت سے اصلاً محتاج مادہ نہیں تو اسے علم الٰہیات سے تعبیر کرتے ہیں اور اگر اس کا موضوع صرف خارجی وجود میں محتاج مادہ ہے ذہن میں نہیں تو وہ علم ریاضی ہے اور اگر اس کا موضوع ذہنی و خارجی دونوں حیثیات سے محتاج مادہ ہے تو اسے علم طبیعی کہتے ہیں

اگرچہ اقسام الاقسام ان کے علاوہ بھی ہیں لیکن اصولی اور بنیادی حیثیت مذکورہ اقسام ہی کو حاصل ہے۔ شریعت کا اصل مقصد انسان کو اس امر سے آگاہ کرنا ہے کہ وہ خالق کائنات کے حقوق کس طرح ادا کرے اور مخلوق کے حقوق کی ادائیگی میں کیا روش اور طریقہ اختیار کرے جس سے پروردگار عالم کی خوشنودی حاصل ہو۔

احکام شریعت کے مطابق حقوق العباد کی ادائگی سے جہاں باری تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے، اسی کے ساتھ انسان کو دنیوی نقطۂ نگاہ سے بھی مختلف منافع حاصل ہوتے ہیں۔

ممکن ہے کہ کوئی مخصوص حکم بظاہر ہماری مصلحت

بقیہ صفحہ ۹ پر

فتح مکہ کی ایک جھلک

ع - حیدرآبادی

تاریخ عفو و درگزر کا زریں باب

صلح حدیبیہ کے بعد عرب کے حالات سکون پذیر ہو چکے ہیں اور اسلام کی اشاعت کا اہم کام خاموشی کے ساتھ پایۂ تکمیل کو پہنچایا جا رہا ہے ، اچانک خبر آتی ہے کہ کفار قریش نے مسلمانوں کے حلیف قبیلہ پر حملہ کر کے اس معاہدے کی دھجیاں بکھیر دیں ، جو مقام حدیبیہ پر طے پایا تھا۔ پانی سر سے گذر چکا ہے اور پچھلے تجربات کی روشنی میں اہل باطل سے کسی قسم کی انسانیت اور عدل و انصاف کی توقع عبث ہے ۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آج دوبارہ "مکہ معظمہ" کا رخ فرما رہے ہیں ؛ اُس سرزمین کی جانب جس سے عہد رفتہ کی بیشمار تلخ و شیریں یادیں وابستہ ہیں ، جس کی فضاؤں میں آپ کی عمر کا اک معتدبہ حصہ بسر ہوا ، جہاں کبھی آپ کو "صادق و امین" کے لقب سے نواز کر عقیدت کے پھول نچھاور کئے گئے اور کبھی آپ پر پتھروں اور گالیوں کی بارش ہوئی ، جس کی آبادی کو سب سے پہلے آپ نے خدا کا پیغام سنایا اور جس کے ویرانوں کو اوائل عمر میں اپنی خلوتوں اور عبادتوں سے معمور فرمایا ، جس شہر سے صرف ایک جاں نثار کی رفاقت میں ظلمت شب کی چادر اوڑھ کر نکلے تھے آج اسی کی جانب عجیب شان سے پیشقدمی فرما رہے ہیں اور آپکی اس پیشقدمی کے ساتھ تاریخ کے اک نئے اور عظیم الشان باب کا آغاز ہو رہا ہے ، آج آپ تنہا نہیں بلکہ آپ کے جلو میں دس ہزار جاں نثاروں کا بحر ذخار ہے ۔ *

منزل سامنے آ چکی ہے "مکہ معظمہ" کی سنگلاخ زمین آج بھی ان مظالم کی یاد تازہ کر رہی ہے جو کبھی مسلمانوں پر ڈھائے گئے تھے اور تپتے ہوئے سنگریزے آج بھی کفار قریش کی سنگدلی اور حق پرستوں کی مظلومیت کی داستانیں سنا رہے ہیں ۔

معاندین اسلام کو اپنی بے بسی کا احساس ہو چکا ہے اس لئے ان کے دل و دماغ امید و بیم کے ملے جلے جذبات کی آماجگاہ بنے ہوئے ہیں ۔ ادھر مسلمانوں میں فتحمندی و کامرانی کے احساس سے مسرت کی لہر دوڑ چکی ہے ، بلکہ بعض حضرات کا تو یہاں تک خیال ہے کہ اب وہ وقت آگیا کہ ہم ظالموں سے پورا پورا انتقام لیں لیکن شہر میں داخلہ سے قبل ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اعلان ہوتا ہے :

جو شخص مقابلہ نہ کرے اور گھر میں بیٹھ رہے اسے امان ہے ، جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اسے امان ہے (یہ ابوسفیان وہی ہیں جو ہمیشہ اسلام اور داعی اسلام کے جانی دشمن بنے رہے اور

اسلام کے خلاف کتنی لڑائیاں ہوئیں نہ صرف یہ کہ ان میں نمایاں طور پر حصہ لیا بلکہ یہی ان لڑائیوں کی روح رواں تھے) جو شخص مسجد حرام میں پناہ گزیں ہو جائے اسے امان ہے۔ جو شخص ہتھیار ڈالدے وہ مامون ہے۔ جو شخص حکیم بن حزام کے مکان میں گھس جائے اسے بھی امان ہے۔ جو شخص ابو رویحہ کے جھنڈے کے نیچے آجائے اسے امان ہے۔

ایک صاحب کی زبان سے نکلتا ہے:

اَلیوم یوم الملحمۃ (آج خونریزی کا دن ہے۔

تو آپ فرماتے ہیں:

"الیوم یوم المرحمۃ"

(نہیں) آج رحم وکرم اور عفو و درگذر کا دن ہے ۔۔۔۔

*****

آپ شہر میں داخل ہو رہے ہیں، ناقہ پر سوار ہیں تواضع و انکساری سے جبین مبارک خم ہے اور زبان مقدس سے یہ کلمات جاری ہیں:

اللھم لاعیش الاعیش الآخرۃ

اے اللہ (پروردگار) زندگی تو بس آخرت ہی کی زندگی ہے۔

دشمنوں پر فتح و کامرانی کے وقت اس درجہ انکساری اور فروتنی اور عفو و درگذر کے پاکیزہ جذبات بس اسی ذات کا حصہ ہیں جسے رحمت عالم بنا کر مبعوث کیا گیا۔

شہر میں داخلہ کے بعد آپ بیت اللہ میں تشریف لائے نماز پڑھی اور خانۂ کعبہ کو بتوں سے پاک فرمایا اس کے بعد آپ کے دست مبارک پر بیعت سے مشرف ہونے والوں کا تانتا بندھ گیا، آپ نے خانہ کعبہ کی کلید عثمان بن طلحہ شیبی کو دوبارہ عنایت فرمائی، یہ پرانے کلید بردار تھے اور ہجرت سے قبل ایک بار جب آپ نے ان سے خانہ کعبہ کا دروازہ کھولنے کی درخواست کی تھی تو انہوں نے دروازہ نہیں کھولا تھا اس وقت آپ نے فرمایا تھا کہ: اے عثمان! عنقریب وہ دن (بھی) آنے والا ہے جبکہ کنجی میرے قبضہ میں ہو گی اور جس کو چاہونگا دوں گا، الغرض آپ نے عفو و درگذر سے کام لیتے ہوئے کلید کعبہ سے انہیں محروم نہیں کیا اور کنجی انہیں واپس فرمادی۔

اگرچہ عام معافی کا اعلان ہو چکا تھا مگر چند افراد مخصوص جرائم کے باعث اس عام معافی سے مستثنیٰ تھے لیکن آخر کار وہ بھی سرورکونین کی رحمت و شفقت سے محروم نہ رہے ہم یہاں اجمالی طور پر ان کے حالات پر روشنی ڈالتے ہیں۔

عکرمۃ بن ابی جہل

یہ اس شخص کے بیٹے تھے جسکو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو جہل کا لقب دیا تھا اور جسے اپنی قوم کے فرعون کی تعبیر فرمایا تھا اس کی تمام تر جد وجہد اور تگ و دو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی کے لئے وقف تھی، اور اسلام و داعی اسلام کے خلاف ریشہ دوانیوں میں پیش پیش تھا۔ یہ عکرمہ بھی اپنے باپ کے نقش قدم پر تھے فتح مکہ کے دن مسلمانوں کے مقابلہ پر آئے لیکن اسلام کی شان و شوکت دیکھکر فرار ہو گئے، ان کی اہلیہ مشرف باسلام ہوئیں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے شوہر کے لئے امان حاصل کر کے ان کی تلاش میں نکلیں، حسن اتفاق سے شوہر تک ان کی رسائی اس وقت ہوئی جبکہ وہ ساحل سمندر تک پہنچ چکے تھے اور کسی جہاز پر سوار ہونے والے تھے بیوی نے انہیں دیکھتے ہی پکارا:

"جئتك من أحلم الناس وأوصلهم وأكرمهم"

(میں ایسے شخص کے پاس سے آرہی ہوں جو لوگوں میں سب سے زیادہ حلیم و بردبار، سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے اور سب سے زیادہ شریف ہیں) مژدہ ہو کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں معاف کر دیا! یہ خوشخبری سنکر عکرمہ وطن واپس آگئے جس وقت بارگاہ نبوت میں پہنچے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح انھیں خوش آمدید کہنے کے لئے اٹھے کہ دوش مبارک سے چادر ڈھلک گئی اور فرمایا: مرحبا بالراکب المہاجر ،
(اے تارک وطن سوار! تم خوب (واپس) آئے)

صفوان بن امیہ

یہ وہ ہیں جن کی تمام عمر اسلام کی مخالفت میں گذری ، اشعار کے ذریعہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کرتے رہے سینے میں بغض و عداوت کی بھڑکتی ہوئی آگ سے مجبور ہو کر ایک تیز تلوار زہر میں بجھائی اور عمیر بن وہب کو مدینہ اس مقصد سے روانہ کیا تاکہ وہ اس تلوار سے اس شمع فروزاں کو گل کر دے جس کی ایمان بخش روشنی سے کفر کی تاریکیاں چاک ہو رہی تھیں۔ پروردگار عالم نے آپ کو اس سازش سے مطلع کر دیا اور اپنے ارادہ میں کامیاب ہونے سے قبل عمیر بن وہب ایک گرفتار مجرم کی حیثیت سے دربار نبوت میں حاضر تھا۔ اس نے رحمت عالم سے معافی کی درخواست کی چنانچہ انھیں معاف کر دیا گیا، لیکن اس سازش کے روح رواں صفوان بن امیہ کا جرم برقرار تھا فتح مکہ کے موقع پر جب انکو عام معافی سے مستثنیٰ قرار دیا گیا اور وہ فرار ہو گئے تو سابق شریک سازش عمیر بن وہب نے ان کے لئے امان کی درخواست کی نہ صرف یہ کہ آپ نے ان کی درخواست قبول فرمائی بلکہ جب انہوں نے آپ سے کوئی نشانی طلب کی تو آپ نے انھیں وہ عمامہ عطا فرمایا جو فتح مکہ کے دن زیب فرق تھا۔ عمیر نے جدہ پہنچکر صفوان کو مژدہ سنایا اور کہا: وہ (رسول اکرمؐ) تم میں سب سے زیادہ بردبار اور سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے ہیں، صفوان ابن امیہ مکہ واپس آگئے اور حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر غور و فکر کے لئے دو ماہ کی مہلت طلب کی، آپ نے دو ماہ کے بجائے چار ماہ کی مہلت عطا فرمائی، اس مہلت کا یہ مطلب نہ تھا کہ مدت متعینہ کے بعد انہیں قتل کر دیا جائے گا بلکہ چار ماہ کے بعد عدم اطاعت کی صورت میں وہ جہاں سے آئے تھے وہاں دوبارہ جاسکتے تھے، صفوان بن امیہ اسی حالت کفر میں آپ کے ساتھ حنین و طائف کے معرکوں میں بھی شریک رہے۔ بالآخر اسلام کی خوبیوں سے متاثر ہو کر از خود مسلمان ہو گئے۔

عبداللہ بن ابی سرح

انھیں کتابت وحی کی خدمت سپرد تھی لیکن ان پر اس طرح شیطان کا غلبہ ہوا کہ مرتد ہو گئے اور مشرکین مکہ کی شیطانی رسوم و عبادات کی تعریف کرنے لگے، انہوں نے نہایت شرمناک اور سنگین جرم کا ارتکاب کیا تھا، اس کے باوجود جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ انھیں اپنے ساتھ لیکر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور امان کی درخواست کی تو آپ نے معاف فرمایا اور عبداللہ ابن ابی سرح گناہ سے تائب ہو کر دوبارہ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

عبداللہ بن زبعری

یہ اشعار کے ذریعہ پیغمبر اسلام کی ہجو کیا کرتے تھے ان کے متعلق بھی یہ حکم تھا کہ جہاں ملیں قتل کر دیئے جائیں، یہ فرار ہو کر نجران چلے گئے لیکن خود ہی وہاں سے واپس آکر اس بارگاہ میں حاضر ہو گئے جہاں سے بڑے بڑے مجرم اپنے ظلم و جور کے بدلے عفو و درگذ اور رحمت و شفقت

کی سوغات لیکر لوٹ رہے تھے، عبد اللہ بن زبعری نے بطور معذرت چند اشعار پڑھے اور شرف باسلام ہو گئے منجملۂ اشعار دو شعر یہ بھی ہیں :

یارسول الملیک ان لسانی
رَاتِق ما ــــ اذ انا بور

اے رسول خدا! میری زبان اس نقصان کی تلافی کر رہی ہے جو میری ہلاکت (کفر) کے زمانہ سے متعلق ہے ۔

أمنَ اللحم والعِظامُ بربّي
ثم نفسی الشہید انت النذیر

نہ صرف میں بلکہ میرے جسم کا ایک ایک ریشہ اور ایک ایک رواں ایمان لایا، اور میں دل و جان سے اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ آپ ہی نذیر اور خدا کے پیغمبر ہیں ۔

وحشی بن حرب

یہ وہی شخص ہیں جن کی ذات سے اسلامی تاریخ کے تلخ ترین حادثہ کی یاد وابستہ ہے یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ومشفق چچا کے قاتل ہیں ، وحشی کو بھی عام معافی سے مستثنیٰ قرار دیا گیا تھا لیکن جب وہ کلمہ پڑھتے ہوئے حاضر خدمت ہوئے تو آپ نے انکا اسلام تسلیم فرمالیا، پھر آپ نے ان سے حضرت حمزہؓ کے قتل کی کیفیت دریافت فرمائی، جب انہوں نے واقعہ بیان کیا تو آپ پر گریہ طاری ہو گیا اور فرمایا وحشی! تمہارا قصور معاف ہے لیکن تم میرے سامنے نہ آیا کرو، تمہیں دیکھ کر پیارے شہید چچا کی یاد تازہ ہوتی ہے ۔

کعب بن زہیر

یہ وہ ہیں جنہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ہجو کی تھی، فتح مکہ کے موقع پر فرار ہو گئے اور ایک عرصہ در بدر کی ٹھوکریں

کھانے کے بعد اچانک حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لے آئے اور آپ کی شان میں ایک قصیدہ بھی سنایا حضورؐ نے ان کا قصور معاف فرمادیا ۔ جب انہوں نے یہ شعر پڑھا

ان الرسولَ لَسیفٌ یُستَضاءُ بہ
مُہنّد من سُیوفِ الھند مَسلولُ

تو آپ نے شعر کی اصلاح فرماتے ہوئے لَسَیفٌ کو لَنُورٌ اور سیوف الھند کو سیوفُ اللہ سے تبدیل کر دیا ۔

ہبار بن اسود

یہ آپ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کے قاتل تھے، جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا مکہ سے ہجرت کرکے اونٹ پر سوار مدینہ کی جانب روانہ ہو رہی تھیں تو اس شخص نے انہیں نیزا مارا وہ اونٹ سے گر پڑیں حمل ساقط ہو گیا اور اس صد سے جانبر نہ ہو سکیں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس و سے سخت رنج تھا، جب اس حادثہ کی یاد تازہ ہوتی تو آپ آبدیدہ ہو جاتے، ہبار اسلام لے آئے، معافی کی درخواست کی اور انھیں معاف کر دیا گیا ۔

ہندہ

یہ ابوسفیان کی بیوی ہیں، اپنے شوہر کی طرح اسلا کی عداوت میں پیش پیش تھیں، جنگ احد کے موقعہ پر اپنی سہیلیوں کے ساتھ رجز یہ اشعار گا گا کر کفار قریش کا د بڑھا رہی تھیں، اسی جنگ میں جب حضرت حمزہؓ شہید ہو تو انہوں نے ان کے اعضا قطع کرکے ہار بنایا اور ان کا جگ نکال کر چبایا، صرف یہی نہیں بلکہ فتح مکہ کے دن جب ابوسفیا نے شہر میں آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد اور آپ کی جا عام معافی کا اعلان کیا تو ہندہ ان کی ڈاڑھی پکڑ کر بولی! لو اس احمق کو قتل کر دو، یہ کیا بکواس کر رہا ہے؟ اگرچہ ہندہ قتل کا حکم تھا لیکن وہ مشرف باسلام ہو گئیں اور انھیں معاف کر

بقیہ صفحہ پر

انسان کیا ہے؟

تلخیص و ترجمہ

ابوالحسن بارہ بنکوی فاضل دیوبند

کبھی ہنستا بولتا ہوا، کبھی خاموش و اداس، گاہے
ا گاہے پیکر محبت، کبھی رونق زیست کبھی جسم بے
انسان پر طاری ہونے والی یہ صرف چند کیفیت
ن یہ کوائف جس پر طاری ہوتے ہیں اس کی حقیقت
؟ اور انسان کس شے کا نام ہے؟ مخصوص شکل و
رکھنے والا جسم یا اس جسم پر حکمرانی کرنے والی
بیرونی قوت! ۔

یہ ایک اہم سوال ہے جسے حل کرنے کے لئے ہمیں
ت میں جانا پڑے گا، جسم و روح اور نفس یہی وہ تین
یں جن کی اساس پر انسان کا وجود قائم ہے ۔

نفس؟

نفس انسانی ایک ایسا جوہری مخلوق ہے جو جسم میں حلول
ور اس سے جدا ہونے نیز سکون و حرکت کی صلاحیت
ہے لیکن ظاہری حواس اس پر طاری ہونے والی کیفیات
سے نہیں کر سکتے، نفس انسانی مادیات سے بے تعلق
یں احساس مادیت سے بیگانہ اور غیر مرئی کائنات
ود وسعتوں میں محو پرداز رہتا ہے، لیکن مادے
کے ساتھ تعلق کی صورت میں وہ اپنی سابق آزادی برقرار نہیں رکھ سکتا ۔

یہ نفس ہی درحقیقت اصل انسان ہے ۔ اسی کو فہم و شعور کی دولت سے نوازا گیا اور وہی اعضائے جسم پہ حکمرانی کرتا ہے، چنانچہ آخرت میں تمام اعمال کے بارہ میں نفس سے باز پرس ہوگی اور خود اعضائے جسم قیامت کے دن اس کے خلاف شہادت دیں گے ۔ نفس ہی کی اصلاح کے لئے کتب سماویہ کا نزول ہوا اور انبیاء و رسل کی بعثت عمل میں آئی ۔

جسم؟

جسم انسانی سے یہاں وہ ہیکل و جثہ مراد ہے جو اس وقت وجود پذیر ہوتا ہے جبکہ مادے کے ساتھ انسان کا نفس مرتبط اور متعلق ہو جاتا ہے، یہ مادہ ہی نفس انسانی میں ثقل کا باعث بنا اور اسے اس کی بلند ترین سطح سے نیچے اتار لایا، لیکن نفس کی اعلیٰ خصوصیات اور فطری صلاحیتیں اس مادی قالب میں بھی برقرار ہیں اور یہ جسم اس کیلئے صرف مظہر خارجی اور آلۂ کار کی حیثیت رکھتا ہے ۔

جسم کی تدریجی ساخت، اعضاء کی بڑھوتری اور مادہ منویہ کا گوشت پوست اور ہڈی کی شکل میں تبدیل ہو کر ایک خاص صورت اختیار کر لینا یہ سب باتیں بجائے خود اس امر کی دلیل ہیں کہ مادی جسم کی تخلیق کے پس پردہ ابتداء ہی سے غیر مادی عوامل کارفرما رہے ہے

روح

انسان کے وجود میں تیسری سب سے اہم شے روح ہے لیکن اس کی ماہیت کے ادراک سے عقول انسانی قاصر ہیں اسے خواہ امر خداوندی سے تعبیر کیجئے یا عطیۂ ایزدی کہئے بہرحال کائنات کی ساری رونق اور رہما ہمی اسی کی مرہون منت اور تمام نباتات وحیوانات کی زندگی و شادابی کا راز اسی کے وجود میں مضمر ہے وہ ایک ایسا راز سربستہ ہے جو ہمیشہ عقل وخرد کی دسترس سے دور رہا اور ایسا جوہر تابناک ہے جو حد ادراک سے وراء الوراء ہوتے ہوئے بھی تعجب ہر دور میں ارباب بصیرت کو دعوت فکر ونظر دیتا رہا۔

جدید تحقیقات کی روشنی میں یہ بات تسلیم کر لی گئی ہے کہ عالم ارواح مادی کائنات کے مقابلہ میں کہیں زیادہ عظیم ولامحدود اور اس کی تاثیرات وکیفیات مادی عالم کی کیفیات وتاثیرات کی بہ نسبت کہیں زیادہ ہمہ گیر اور قوی تر ہیں، بلکہ مادی کائنات کے احوال وکوائف بھی در حقیقت غیر مرئی کائنات کی تاثیرات کا پرتو ہیں، پھر چونکہ ہماری کائنات کے مظاہر مرئی اور غیر مرئی قوتوں کی مشترکہ اثر انگیزیوں کا نتیجہ ہیں اور جسم اپنے افعال وکردار میں نفس کے تعاون اور اس کی ہدایات کا مرہون منت ہوتا ہے اسلئے لئے آخرت میں نفس وجسم دونوں ہی اعمال کے اچھے یا برے نتائج سے دوچار ہوں گے۔

اگر انسان کے جسم پر طاری ہونے والی مختلف کیفیات خصوصاً خواب وبیداری اور موت کا جائزہ لیا جائے تو روح وجسم اور نفس انسانی کے باہمی ارتباط کی نوعیت پر کافی روشنی پڑتی ہے مذکورہ تینوں صورتوں میں انسان تین مختلف کیفیات سے دوچار ہوتا ہے۔

عالم بیداری میں روح، جسم اور نفس تینوں یکجا ہوتے ہیں مگر نیند کی حالت میں نفس پرواز کر جاتا ہے صرف جسم اور روح کا تعلق قائم رہتا ہے، خواہ یہ نیند طبعی ہو یا عمل تنویم وغیرہ کا نتیجہ، پھر موت کی صورت میں روح پرواز کر جاتی ہے لیکن جسم اور روح کا تعلق ایک خاص نوعیت کے ساتھ باقی رہتا ہے یہاں تک کہ نفس انسانی ماحول سے بھی متاثر ہوتا ہے اگرچہ اس میں اس بات کی صلاحیت نہیں ہوتی کہ اعضاء جسم کے ذریعہ اظہار تاثر کر سکے، بالکل اسی طرح جیسے کہ نیند کے عالم میں جسم کے ساتھ روح تو ہوتی ہے لیکن نفس کی عدم موجودگی کے باعث وہ اعضاء جسم سے کوئی شعوری کام نہیں لے سکتی چنانچہ احادیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جنازہ کے ساتھ چلنے والے حضرات کے قدموں کی آہٹ تک میت کو محسوس ہوتی ہے۔

موت کے بعد روح وجسم کا تعلق منقطع ہو جاتا پھر نفس بھی جسم کا ساتھ چھوڑ دیتا ہے، اس طرح یہ تینوں اجزاء منتشر ہو جاتے ہیں لیکن جب قیامت کے دن جسم کے ساتھ روح کا ارتباط ہوگا تو اسی وقت نفس کی واپسی بھی ہو جائے گی اور اس طرح پھر ایک جیتے جاگتے انسا

کا وجود منظرعام پر آجائے گا ۔

ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ أُخْرَىٰ فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنْظُرُونَ (الزمر)

(پھر جب دوبارہ نفخ صور ہوگا تو وہ لوگ کھڑے تکتے ہوئے ہوں گے)

یعنی انسان کو آخرت میں قدم رکھنے کے لئے دنیا سے جدا ہونا اور عالم برزخ سے گذرنا ہوگا، حیات انسانی کے یہ تین مرحلے اپنے احوال و کوائف کے لحاظ سے بھی باہم بگر جداگانہ ہیں، دنیا میں تمام اثرات جسم پر مرتب ہوتے ہیں اور نفس انسانی جسم کے توسط سے متاثر ہوتا ہے، لیکن عالم برزخ میں تمام کوائف نفس انسانی پر مرتب ہونگے اور جسم اس کے توسط سے متاثر ہوگا، یہ صورت جزوی طور پر دنیا میں بھی پیش آتی ہے۔ مثلاً ایک شخص گہری نیند سو رہا ہے اور خواب ہی میں کوئی خوش کن بات اسکے سامنے آتی ہے تو خوشی کے آثار بعض اوقات اس کے چہرے بشرے سے بھی نمایاں ہونے لگتے ہیں، کبھی مسکراتا ہے اور کبھی ہنس دیتا ہے، لیکن اگر کسی کو خواب میں کوئی بھیانک چیز نظر آجائے تو وہ چونک اٹھتا ہے یا نیند ہی میں اس کے قلبی اضطراب کا اظہار ہوتا ہے، پھر یہ کیفیات صرف نگاہی نہیں ہوتیں بلکہ بعض اوقات اپنے دیرپا اثرات بھی چھوڑ جاتی ہیں ۔

نفس انسانی پر طاری ہونے والی اس کی نجی کیفیات جب موجودہ زندگی میں جسم کو متاثر کرسکتی ہیں جہاں وہ جسم کے تابع ہے تو عالم برزخ میں اس پر طاری ہونے والی کیفیات سے جسم کے تاثر کا بھلا کیا حال ہوگا؟

روح اور نفس کے باہمی تفاوت پر اہل علم اس آیت سے استدلال کرتے ہیں ۔ اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَىٰ عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْأُخْرَىٰ إِلَىٰ أَجَلٍ مُسَمًّى (الزمر)

یعنی خدا ہی نفوس کو ان کی موت کے وقت اور موت نہ طاری ہوئی ہو تو نیند کی صورت میں اٹھا لیتا ہے پھر ان نفوس کو روک لیا جاتا ہے جن کی موت کا فیصلہ ہو گیا اور دوسروں کو ایک مقررہ وقت تک کے لئے (اجسام کی جانب واپس) بھیج دیا جاتا ہے (مفہوم آیت)

مذکورہ آیت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عالم خواب میں نفس اٹھا لیا جاتا ہے صرف روح اور جسم یکجا رہ جاتے ہیں کیونکہ اگر روح بھی جسم کا ساتھ چھوڑ دے تو موت واقع ہو جائے ۔

موت کے بعد نفس کو روک لینے کا مفہوم یہ نہیں کہ جسم کی طرف عارضی طور بھی نفس کی واپسی نہیں ہوتی بلکہ مقصد یہ ہے کہ جس متصرفانہ اور مخصوص شان کے ساتھ مرنے سے قبل جسم کی طرف اسکی واپسی ہوا کرتی تھی وہ حیثیت مرنیکے بعد دوبارہ قیامت تک اسے نصیب نہ ہوگی ۔ (واللہ اعلم)

صحیحین کی ایک روایت سے مذکورہ دعوے کی پوری طرح تائید و توثیق ہوتی ہے ۔ روایت کا ماحصل یہ ہے کہ جنگ بدر کے موقعہ پر جب مشرکین مکہ بری طرح ہزیمت یاب ہوئے اور ان کی ایک کثیر تعداد قتل ہوگئی تو اختتام جنگ کے بعد نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حسب حکم مشرکین کی لاشوں کو ایک ویران کنویں میں ڈال دیا گیا، پھر آپ اس کنویں پر تشریف لائے اور مشرکین کو نام بنام پکار کر فرمایا ! اے فلاں ابن فلاں کیا تم نے اپنے پروردگار کا وعدہ سچا پایا جو اس نے تم سے کیا تھا، میں تو اپنے پروردگار کا وعدہ سچا پایا جو اس نے ہم سے کیا تھا ۔

بقیہ صفحہ ۱۱ پر

الجزائر کے دو مجاہد

(الہلال مورخہ ۱۳ جولائی سنہ ۱۹۱۲ء)

طرابلس میں آج جو بازار قتال گرم ہے الجزائر پوری ایک صدی تک اس میں مبتلا رہا جو شمالی افریقہ میں سب سے بڑی اسلامی مملکت تھی اور جس کے لئے پہلی صدی ہجری میں عہد نبوت کا صحبت یافتہ خون بہایا گیا تھا مسلسل خونریزیاں، پیہم عہد شکنانہ سفاکیاں، قتل عورات و اطفال، احراق منازل و بلدان، ہتک مساجد و اشراف اور تمام وحشیانہ اور بربری مظالم جو مسیحی غلبہ و غضب کے لازمی اجزا ہیں فرانس کے ہاتھوں ایک ایک کر کے الجزائر کی نصف کروڑ آبادی پر گذرے اور بالآخر جانبر نہ ہو سکا، لیکن سنہ ۱۸۳۰ء میں جب فلپ لوئس نے تخت نشین ہوتے ہی الحاق الجزائر کا اعلان کیا تو بجھنے والے چراغ نے ایک آخری سنبھالا لیا، یہ امیر عبد القادر الجزائری نامی ایک جانفروش اور وطن پرست کا ظہور تھا جس کی تہور و شجاعت عزم و استقلال اور فوجی و دینی زندگی کے یکساں اعلیٰ اوصاف نے ایک سال کے اندر تمام یورپ اور ایشیا کو متوجہ کر لیا۔

الجزائر کے بدوی قبائل میں اس کا خاندان دینی ریاست کے لحاظ سے ممتاز تھا؛ اور تمام قبائل پر اثر رکھتا تھا؛ گورنر الجزائر اس کی طرف خلائق دیکھ کر مخالف ہو گیا اور جلاوطن کر دیا اس وقت اس کی عمر بہت چھوٹی تھی۔ چوبیس کی عمر میں جب وطن واپس آیا تو ملک کی حالت بدل چکی تھی؛ ہر طرف خونریزی اور سفاکی کا بازار گرم تھا اور فرانسیسی درندے تمام الجزائر میں پھیل گئے تھے۔ یہ حالت دیکھ کر اس کا جی بھر آیا، آزادی اور خودمختاری کی گرمی ابتک الجزائری خون میں باقی تھی۔ تمام قبائل کو جمع کر کے غیرت دلائی اور حفظ وطن کے لئے جہاد دفاع پر بیعت لی۔ اس وقت الجزائر میں فرانس کے ہاتھ پاؤں نہایت توانا تھے، چالیس ہزار سے زیادہ تو صرف پیادہ فوج تمام ملک میں پھیلی ہوئی تھی اور چار ہزار سواروں کی تلواریں ان کے علاوہ بے نیام تھیں، ساحل پر جنگی جہازوں کا ایک مہیب بیڑہ لنگر انداز تھا جس میں ۵۰ جنگی کشتیاں اور ۳۲۰ جہاز تھے اور یہ سب کئی سو قلعہ شکن توپوں اور بے شمار سامان جنگ سے لدے ہوئے تھے۔

اس کے مقابلہ میں امیر عبد القادر گویا بالکل نہتا تھا؛ بدوی قبائل کی ایک بے قاعدہ بھیڑ اسکے اردگرد تھی، آلات جنگ کا کوئی ذخیرہ نہ تھا، اور

جو تھے وہ جدید آلات کے مقابلہ میں بیکار تھے۔ سب سے زیادہ یہ کہ کوئی عمدہ اور محفوظ مقام بھی قبضے میں نہ تھا اور دشمن تقریباً تمام اطراف ملک میں پھیلا ہوا تھا۔ لیکن کوئی قوم خواہ کیسی ہی گہری نیند سو رہی ہو اگر آزادی اور حکومت کے خواب کو بھلا نہیں چکی ہے تو ایک ضعیف سی آواز بھی اس کے جگانے کے لئے کافی ہے۔ اسلام نے حفظ وطن کی روح جہاد دفاعی کے نام سے اپنے پیروؤں میں ودیعت کی ہے اور اگر زمین شور نہ ہو تو اس کا بیج بیکار نہیں جا سکتا امیر عبدالقادر کی صدائے رعد آسائے حریت نے تمام الجزائر میں بیک آگ لگا دی، سرداران قبائل چاروں طرف سے آ آ کر جمع ہوتے تھے اور شوق شہادت و فدویت کی محویت میں آتشیں گولوں سے کھیلتے تھے، خود امیر عبدالقادر شجاعت و بسالت کی ایک آہنی دیوار تھا جس سے فرانس کی خوفناک طاقت سر ٹکراتی تھی اور فنا ہوتی تھی تھوڑے ہی عرصہ کے اندر حملہ آور اپنی تمام قیمتی اور مہیب فوج ۔ جہاد کی خون آشام تلواروں کی نذر کر کے مبہوت و سراسیمہ رہ گئے ۔

یورپ میں جب فرانس کی ہزیمتوں کی خبریں شائع ہوئیں تو ڈیوک آف ولینگٹن تک کو الجزائر کی عظمت کا اقرار کرنا پڑا ۔ آٹھ نو سال کے اندر اس نے تقریباً کل الجزائر پر قبضہ کر لیا تھا۔ تمام ساحلی اور اندرونی قلعے فرانسیسی فوج کی لعنت سے پاک ہو گئے تھے ــــ

۱۸۳۵ء سے ۱۸۳۸ء تک فرانس نے ہزیمت و شکست، ذلت و رسوائی اور ہلاکت و بربادی کے سوا کچھ نہیں دیکھا ــــ ۱۸۳۶ء کے حملے میں تیس ہزار کی جرار صفیں میلیجہ کے میدان میں اس طرح فنا ہو گئیں گویا امیر عبدالقادر کے طلسم نے ان کے دست و پا شل کر دیئے تھے ۔

یہ سب کچھ ہوا لیکن چراغ میں جب تیل نہ ہو تو فتیلے کی تنہا فنا پذیر ہستی کب تک قائم رہ سکتی ہے ؟ فی الحقیقت الجزائر کا ہزار سالہ ایوان عظمت گر چکا تھا، باہمی نا اتفاقیوں ظلم اور بد اعمالیوں کے جراثیم نے اس کے چوبی ستونوں کو کھوکھلا کر دیا تھا ۔ یہ جو کچھ ہوا گویا سہارا دے دیکر گرتی ہوئی دیواروں کو سنبھالنا تھا، سب سے بڑی چیز مرکز کی طاقت ہے ، ان تمام چھوٹی بڑی حکومتوں کا قلب باب عالی تھا، لیکن خود اس کی دیواریں گو گری نہیں تھیں لیکن پلاسٹر الگ ہو ہو کر گر رہا تھا، اسے اپنی گرفتاریوں سے کب مہلت تھی کہ الجزائر کی طرف گردن پھیرتا ؟ ؟ پس ضروری تھا کہ قانون الٰہی صدیوں کے بعد بد اعمالیوں اور غفلت کی آخری سزا کے لئے اس وقت کو مقرر کر دے ۔ وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيرًا ۝

ـــ ـــ ـــ ـــ ـــ ـــ ـــ

ـــ ـــ ـــ ـــ ـــ ـــ ـــ

* * * * *

۱۸۴۰ء میں مارشیل برگیڈ ۸۰ ہزار یورپ کے انسان صورت درندوں کا غول لیکر روانہ ہوا، اور ساحل پر قدم رکھتے ہی خونخوار بھیڑیوں کی طرح ظلم و سفا کی شروع کر دی، قتل و غارت کے سوا اور کوئی لفظ اس کی زبان پر نہیں چڑھتا تھا، ایک دو ماہ کے اندر اس زرخیز مملکت کا یہ حال ہوا کہ تمام شہر جل کے خاکستر کا ڈھیر تھے ۔ ایک آبادی کو غارت کر چکتا تھا تو ناتواں عورتوں اور معصوم بچوں کی خوں چکاں لاشوں کو روندتا ہوا دوسرے کی طرف رخ کرتا تھا؛

اطاعت و انقیاد کے سوا اب چارہ کار کیا تھا

تمام قبائل وشیوخ کو اپنی بدبختی کے آگے سر جھکانا پڑا لیکن جو تلوار اعدائے ملت کے دلوں میں اترنے کے لئے بلند ہوئی تھی مشکل تھا کہ آزادی وطن کی امیدوں کو قتل کرکے آسانی سے جھکادی جاتی ۔۔

امیر عبدالقادر نے اطاعت سے انکار کردیا اور مراکو چلا گیا، وہاں کچھ دنوں تک اپنی جمعیت بہم پہنچاتا رہا۔ پھر سنہ ۴۳ اور سنہ ۴۴ میں متواتر فرانسیسی فوج پر دو حملے کئے مگر اب قدرت کا فتویٰ اس کے خلاف صادر ہوچکا تھا دونوں مرتبہ حریف کو شدید نقصان پہنچانے کے بعد شکست ہی ہوئی۔ بالآخر جب ہر طرف سے مجبور ہوگیا تو ڈیوک آمل سے صلح کرنے کے سوا اور کوئی راہ نظر نہیں آئی۔ صلح کی پہلی شرط تھی کہ امیر سے بالکل تعرض نہیں کیا جائے گا اور اسکندریہ یا نیپلس جانے کی اجازت دی جائے گی۔ لیکن مسیحی تہذیب میں عہد کی پابندی کوئی چیز نہیں۔ انگلستان نے نپولین کے ساتھ واٹرلو میں جو معاہدہ کیا تھا ویسا ہی معاہدہ تعقیدمہ کے میدان میں الجزائری سے بھی کیا گیا ۔

جوں ہی امیر عبدالقادر نے تلوار نیام میں رکھی معاً قید کرکے فرانس بھیجدیا گیا اور اس کے خاندان اور حرم کی عورتوں کی بے حرمتی کرکے آتش انتقام بجھائی گئی۔ اس منظر کی تصویریں اب تک پیرس کے ایوانوں کی آرائش ہیں۔ پانچ سال تک سخت سے سخت اذیتیں جو کسی قیدی کو یورپ کے قیدخانوں میں دی جاسکتی ہیں، وہ سب اس وطن پرست کو نصیب ہوئیں۔ جب الجزائر کی تمام ملکی طاقت فنا کردی گئی اور خوف دہراس کا کانٹا دل سے نکل گیا تو لوئیس نپولین کی رحم دلی نے اسے آزاد کرادیا پہلے بروسہ گیا، پھر کچھ دنوں اور ملکوں کی خاک چھانی، دل کی سراسیمگی اور وارستگی نے ہر جگہ برآشفتہ رکھا، بالآخر دمشق میں گوشہ نشینی اختیار کی اور سنہ ۱۸۸۳ میں الجزائر کی ہزار سالہ عظمت اور اسلامی جبروت کی طرح اپنے وجود کو سپرد خاک کردیا *

حیات بعد الممات

امیر عبدالقادر کے ان کارناموں کو ستر سال گذر گئے اور الجزائری جدوجہد کی سرگذشت افسانۂ کہن ہوگئی، لیکن تاریخ ہمیشہ اپنے صفحات دہراتی ہے اور بہت سی زندگیاں ہیں جو ایک بار مر کر پھر بار بار جی اٹھتی ہیں تقریباً ایک صدی کے بعد اسی شمالی افریقہ کے دوسرے حصہ میں اٹلی فرانس کی جانشینی کے لئے بدحواس ہوئی تو الجزائر کی وطنی جدوجہد کی ابتدائی تاریخ جلد جلد اپنے صفحے دہرانے لگی ۔۔ *

امیر علی پاشا الجزائری

امیر عبدالقادر آج طرابلس کے عثمانی کیمپ میں پھر زندہ ہوگیا وہ اپنے تمام محیر العقول اوصاف عجیبہ کے ساتھ اپنے خلف الصدق امیر علی پاشا الجزائری کی صورت میں موجود ہے جنکی جانفروشیوں اور شجاعانہ حملوں سے الجزائر کی تاریخ گویا پھر عود کر آئی ہے *

جنگ طرابلس کا جب اعلان ہوا تو امیر موصوف شام میں مقیم تھے، انہوں نے اسی وقت ایک عرضداشت سلطان المعظم کی خدمت میں بھیجی اور طرابلس جانے کی اجازت طلب کی۔ عرضداشت کے آخری الفاظ یہ تھے:

" میرے والد مرحوم امیر عبدالقادر نے فرانس کا انیس سال تک مقابلہ کیا تھا۔ یقین فرمائیے کہ کم از کم پندرہ سال تک تو میں بھی طرابلس کی خاک کو ہاتھ سے نہیں دے سکتا" *

ان کے پہونچتے ہی مجاہدین میں ہمت وشجاعت کی حیات تازہ پیدا ہوگئی اور تمام قبائلِ طرابلس نے جوش خروش کے ساتھ خیر مقدم کیا، ان کے جوش جہاد اور حب ملت و وطن کا یہ حال ہے کہ جس دن اپنے قافلہ کو لیکر پہونچے بغیر کسی آرام و توقف کے مصروف کارزار ہوگئے

صبح کاذب کی تاریکی میں نعرہ ہائے اللہ اکبر کی ایک نئی گرج نخلستان بنغازی سے پیہم اٹھی اور طوفانِ ہلاکت بنکر اٹالین کیمپ کے اوپر نمودار ہوئی یہ گویا ایک جلیل القدر مجاہد کے پہنچنے کی سلامی تھی جس نے حریف کی چھاونیوں میں اس کا اعلان کردیا — هُوَ الَّذِىٓ اَنۡزَلَ السَّكِيۡنَةَ فِىۡ قُلُوۡبِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ لِيَزۡدَادُوۡۤا اِيۡمَانًا مَّعَ اِيۡمَانِهِمۡ وَلِلّٰهِ جُنُوۡدُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيۡمًا حَكِيۡمًا ۙ (۴۸ : ۲۶)

* *

* * *

پہلی مئی تک وہ علاوہ چھوٹی چھوٹی لڑائیوں اور مقابلہ کے آٹھ عظیم الشان معرکوں میں شریک اور ان میں سے اکثر کے افسر اعلیٰ رہ چکے تھے۔ یہ کتنے تعجب کی بات ہے کہ روما کا خبر تقسیم کرنے والا دفتر اپنی شریفانہ روایات میں بظاہر ان سے بالکل بے خبر ہے۔

"بنغازی" میں ان کا اولین معرکہ نہایت حیرت انگیز اور اس نصرت الٰہی کی ایک پر عظمت مثال ہے جسکی نظیر کی گو طرابلس کے میدان میں کمی نہ ہو گر دنیا کی تاریخ میں ناپید ہے۔ وہ صبح کی مقدس تاریکی میں اپنے ساتھیوں اور مجاہدین طرابلس کی ٹکڑی لیکر چل کھڑے ہوئے مجموعی تعداد تین سو سے زیادہ نہ تھی اور منزل مقصود غیر متعین

کیونکہ اسی شب کو یہ قافلہ طرابلس پہنچا تھا اور دشمن کی نقل وحرکت کے متعلق کوئی عمدہ خبر عثمانی کیمپ میں موجود نہ تھی۔ شوق شہادت و ولولۂ شجاعت نے اتنی مہلت نہ دی کہ کسی مناسب حملے یا اتفاقی مقابلے کا انتظار کیا جائے، بغیر کسی علم و انتظار کے دشمن کی تلاش میں روانہ ہوگئے۔

طلوع آفتاب کے ساتھ ہی دشمن کی موجودگی کے نشانات رہنمائی کرنے لگے، معاپوری جماعت تین ٹکڑوں میں تقسیم ہوگئی اور سو مجاہدین کا صرف ایک ٹکڑا متجسس و متلاشی آگے بڑھا، تھوڑی مسافت ابھی طے کی تھی کہ گھوڑوں کی ٹاپوں اور ہتھیاروں کی جھنکار نے بتلا دیا کہ اب انہیں کیا کرنا ہوگا۔ قرائن سے معلوم ہوا کہ نمودار ہونے والا گروہ دو تین ہزار سے کسی طرح کم نہیں اتنے بڑے مقابلہ کی یہاں کسی کو امید نہ تھی، ایسی حالت میں محفوظ طریقہ تو یہ تھا کہ کمین گاہ میں چھپ کر بیٹھ جاتے اور جب دشمن بے خبر آگے بڑھ جاتا تو عقب سے حملہ آور ہو کر ایک مقابلہ کے بعد نکل جاتے لیکن امیر عبدالقادر کے جانشین نے سرزمین جہاد کے مقدس میدان میں اپنی اولین ضرب شمشیر کو بزدلانہ کام میں لانا پسند نہیں کیا پوری جماعت راستہ روک کر دہیں کھڑی ہوگئی اور صبح کی خوشنما فضائے روشن میں جاندادگان راہ شہادت، نصرت الٰہی کا انتظار کرنے لگے۔ وَكَمۡ مِّنۡ فِئَةٍ قَلِيۡلَةٍ غَلَبَتۡ فِئَةً كَثِيۡرَةًۢ بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيۡنَ (۲-۲۴۹)

* * *

دشمن کے انتظار کی گھڑیوں کا ثبات واستقلال بجائے خود انسانی جذبات کے ظہور کی انتہائی نمائش ہے

جس کی نظیر قوموں کی فدائی جد وجہد میں ہمیشہ نہیں مل سکتی، لیکن اس سے بھی بڑھکر ایک پر اثر واقعہ اس موقع پر ظاہر ہوا جسے شاید صرف اسلام ہی کی تاریخ پیش کرسکتی ہے ؛ اگر طرابلس سے اس کی تمام عظیم الشان فتح یا بیاں چھین بھی لیجائیں جب بھی یہ واقعہ اسیں کی لازوال اور مقدس عظمت کی شہادت کے لئے کافی ہے۔

قوموں اور ملکوں کی عزت اگر زیادہ خون بہانے اور انسانی گلوں کے ہاتھ پاؤں باندھنے میں ہوتی تو درندوں کے بھٹ انسان کی عبادت گاہوں سے زیادہ مقدس ہوتے۔ مگر اس کے شرف و تقدیس کا معیار الہی اوصاف اور ملکوتی اخلاق ہیں، اگر چند لمحے بھی اسکے میسر آجائیں تو وہ خونخوارانہ فتحیابیوں کے ہزار سالوں سے زیادہ افضل ہیں۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سَافِلِیْنَ (۹۶ - ۳:)

دو ہزار مسلح دشمنوں کا گروہ چند لمحوں کے اندر اندر نمودار ہونے والا تھا، گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز اور ہتھیاروں کی جھنکار اب صاف صاف سنائی دینے لگی تھی۔ مجاہدین کی تعداد سو سے زیادہ نہ تھی، کسی طرح کی حفاظت اور پوشیدگی کا موقع نہ تھا، بے نیام تلواریں سروں پر چمکنے کے لئے آرہی تھیں، دو ہزار گولیوں کی جگر شگاف بارش ایک لمحہ کے اندر سو لاشیں تڑپا دے سکتی تھیں، گو حیات و ممات کی تمام باہمی مسافت لپٹ کر ایک لمحہ کے نقطے میں سمٹ گئی تھی، لیکن یہ سخت و نازک وقت یہ یکسر خوف و ہراس، یہ مناظر وحشت و اضطراب یہ معاینۂ موت و ہلاکت کوئی بھی چیز اس

مومن مخلص کو فاطر السموات والارض کی عبادت سے باز نہ رکھ سکی اور اپنے قافلہ کی تمام جماعت کے ساتھ نماز میں مصروف ہوگیا ! خدا نے ان بندوں کی تعریف کی تھی، جن کو تجارت و کار و بار دنیوی کا انہماک ذکر الہی سے مانع نہیں : رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ۔

مگر یہ وہ بندے ہیں جو دشمن کی تلواروں کے سایہ میں بھی اس کی بندگی سے غافل نہیں ہوسکتے ! یہ اسلام کے دور اول کی خصوصیات تھیں جن کو خاک طرابلس نے آج پھر زندہ کردیا ہے۔

* * * *

اللہ اکبر ! یہ بھی کیا منظر تھا کہ ایک طرف تو بے نیام تلواریں اور بندوقوں کی کرچیں فضا میں چمک چمک کر ظلم و بیرحمی اور خدا فراموشی کا اعلان کررہی تھیں، دوسری طرف وہ گردنیں جو اعلاء کلمۃ الحق اور حفظ ناموس الہی کی راہ میں کٹنے کے لئے بلند کی گئی تھیں۔ ماسوی اللہ سے بےخبر اور غافل ہوکر بیخودانہ درگاہ الہی میں جھکادی گئی تھیں۔

امیر علی مع اپنے ساتھیوں کے نماز میں مصروف تھے اور پچاس مجاہد نگرانی و حفاظت میں۔ وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ۔

صفیں دونوں کی تھیں، لیکن ایک خدا کی بندگی میں مصروف تھی اور دوسری خدا کے لئے اس کے دشمنوں کی نگرانی میں، یکایک دشمن کا گروہ عظیم نہایت قریب سے نمودار ہوا

اس کی کثرت تعداد، ضروریات جنگ سے تکمیل، ہر طرح کی آمادگی و مستعدی سے معلوم ہوتا تھا کہ محض فوجی نقل و حرکت نہیں ہے بلکہ ایک سخت حملہ کا ارادہ کیا گیا ہے جو عثمانی کیمپ کے قرب و جوار میں دن صرف کر کے رات کی تاریکی میں کیا جاتا، نماز ابھی ختم نہیں ہوئی تھی اور صرف پچاس آدمی حملہ کا جواب دے سکتے تھے، دشمن نے اتنی قلیل جماعت کو سامنے دیکھ کر اور ان میں سے بھی نصف کو بے کار پا کر اس زور سے غلغلۂ شادمانی بلند کیا گویا دوما کا خزانہ مع اس کے نئے قرضوں کے جو فرضی الحاق طرابلس کی قیمت میں دیا گیا ہے چند لمحوں میں واپس ملنے والا ہے!

لیکن مجاہدین کے بے باکانہ نعرۂ اللہ اکبر کی گونج نے ان کو زیادہ خوش ہو لینے کی مہلت نہ دی، وہ ابھی کسی قدر فاصلے پر رک کر کھڑے تھے کہ محافظ پچاس دیو نے برق کی سرعت سے اٹھ کر حملہ کر دیا اور گویا چھوٹی چھوٹی پچاس کشتیاں دو ہزار سپاہیوں کے سیلاب میں تیرنے لگیں ان کی اس جسارت اور تیزی نے تھوڑی دیر کے لئے تمام لشکر کو مبہوت کر دیا اور حیرت و تعجب نے سب کے ہاتھ پاؤں شل کر دیئے، لیکن اس عرصہ میں پچاس ضربوں نے اپنے سے دگنی تعداد کا خاتمہ کر دیا تھا۔

* * * *

ہنگامۂ رست و خیز بلند اور شور دار و گیر سے صحرا گونج رہا تھا مگر نماز پڑھنے والوں نے پوری جمعیت خاطر سے نماز ختم کی اور امیر علی مع اپنے پچاس ساتھیوں کے اس ولولۂ شہادت اور جوش جہاد کے ساتھ جس کے اضطراب نے انھیں رات بھر انتظار کرنے کی بھی مہلت نہ دی تھی دوسری مرتبہ تکبیر جہاد بلند کرتے ہوئے صاعقۂ ہلاکت بنکر صف اعدا پر ٹوٹ پڑے۔

دشمن کے محسوس ہوتے ہی سو سو مجاہدین کی دو جماعتیں جو مختلف جہات میں بصورت طاقت محفوظ بھیجدی گئی تھیں تھوڑی دیر کے بعد ان میں پہلا گروہ بھی نعرۂ اللہ اکبر سے دلوں کو لرزاتا ہوا آموجود ہوا، اور اب دو سو مجاہدین مصروف پیکار ہوگئے

[علی تطلی بک جو قسطنطنیہ سے مرکزی ہلال احمر کے پہلے وفد میں روانہ ہوئے تھے اپنی چٹھی میں لکھتے ہیں:]

اگر شجاعت و جاں فروشی، عزم و استقلال، وطن پرستی اور حفظ ناموس ملت کا خون قیمتی ہے تو دنیا میں کون حساب کر سکتا ہے کہ طرابلس کی خاک کے ذروں کی کیا قیمت ہوگی تاریخ دنیائے قدیم کے جن تعجب انگیز واقعات کی تقدیس کرتی ہے انسانی فضائل و جذبات کے جن کارناموں کے احترام میں اپنے قیمتی سے قیمتی صفحے دیدیتی ہے اور پھر کبھی کبھی گذری ہوئی دنیا کے جن محاسن و کمال کی یاد میں حسرت کے آنسو بہاتی ہے۔ آج طرابلس کی زندگی کی ہر ساعت اور ہر لمحہ میں ہم اپنی آنکھوں سے اپنے سامنے دیکھ رہے ہیں

امیر علی جزائری کے پہلے معرکہ میں دو سو انسان ان دو ہزار تربیت یافتہ سواروں سے (جن کی طاقت کے مقابلہ میں بزدلی اور ضعف و بے بسی کے مقابلہ میں درندگی فطرتِ اصلی ہے) بے خوف و ہراس لڑ رہے تھے۔ یہ کیا شیشے کا پہاڑ کی چٹان سے سر ٹکرانا نہ تھا؟ لیکن حیران ہوں کہ جو کچھ میں دیکھتا ہوں بیسویں صدی کی مادی فضا میں پرورش پانے والی دنیا کو کیونکر اس کا یقین دلاؤں؟ اگر میں کہوں کہ شیشہ و سنگ کے تصادم میں آخرالذکر کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے تو یقیناً میں پاگل ہوں۔ مگر میں کہتا ہوں کہ دو سو صحرانشیں بدویوں نے یورپ کے دو ہزار تربیت یافتہ

سپاہیوں سے کامل چار گھنٹے تک آگے بڑھنے کی طاقت
سلب کر دی اور بالآخر شکست دی ایسی ذلت بخش اور رسوا کن
شکست کہ سینکڑوں سپاہی سراسیمگی کے فرار میں ایک
دوسرے پر گر کے اپنے ہی سواروں سے روندے گئے،
اور جس قہر الٰہی سے بچکر بھاگنا چاہتے تھے وہ بالآخر
صورت بدل کر دامن گیر ہو گئی۔

دنیا ان واقعات پر شک کرے، یا تعجب،
لیکن ہمارے لئے یہ سرگذشتیں کچھ بھی مستبعد نہیں۔

اگر وہ خدا زندہ ہے جس نے یوم بدر و حنین میں اپنی
نصرت کی نیرنگیاں دکھلائی تھیں لِيَزْدَادُوٓا إِيمَانًا
مَعَ إِيمَانِهِمْ وَلِلّٰهِ جُنُودُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ۔
اور اس ناصری خدا کی طرح فناپذیر نہیں جس کو پلاطوس
کی رومی عدالت کے فتوے نے مصلوب کر دیا تھا۔
وَاللّٰهُ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ ؛ تو وہ آج بھی
طرابلس کے میدانوں میں اپنے جنود نصرۃ کے ارسال سے
عاجز نہیں ہے؛ بَلٰىٓ إِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا وَيَأْتُوكُمْ
مِنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ آلَافٍ
مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ ٥ (٣ - ١٢٣)

علی بک اس کے بعد لکھتے ہیں؛

جس گروہ میں ابتدائے جنگ سے ہر فرد کی شجاعت و
بے جگری یکساں و غیر ممیز ہو اس کی سرگذشت میں بالتخصیص
کیا لکھا جا سکتا ہے؟ لیکن اس معرکے میں امیر عبد القادر
کا خلف الرشید اول سے آخر تک ایک وجود طلسم تھا
انسان خواہ کچھ ہو لیکن فولاد یا پتھر کی چٹان نہیں، اور اگر
پتھر کے دو سو ستون بھی ہوں تو بھی دو ہزار گولیوں کی
مسلسل بارش ان کو تھوڑی دیر میں جالی کی چادر بنا دے،
لیکن یہ صرف امیر جزائری کی بے جگری اور کاردانی تھی
جس نے دو سو دلوں کو اپنی مٹھی میں لیکر اس طرح داد
شجاعت دی کہ ان میں کا ہر متنفس اس کی طرف سے
ہر دم پہنچنے والی روح شجاعت کی ایک مسلح صف اپنے
یمین و شمال دیکھتا تھا، اور دشمنوں کے سمندر میں مچھلی
کی طرح بے خوف تیرتا تھا، خود امیر علی کا یہ حال تھا کہ
میدان جنگ میں چند لمحوں کے لئے بھی اس کی جگہ کی
طرف کوئی اشارہ نہیں کیا جا سکتا تھا، رعد کی گرج کی
طرح پیہم نعرہ ہائے تکبیر بلند کرنا اور پھر برق کی سرعت
سے چمک کر دوسری جگہ نمودار ہو جاتا، گویا ہمت و شجاعت
نے اس کے دونوں طرف پر لگا دیئے تھے جس کی مدد سے
اس فضائے خونیں میں ہر طرف بے خوف و ہراس اڑتا تھا
اور بندوقوں اور رائفلوں کے نشانے اس کی سرعت
پرواز کا ساتھ دینے سے عاجز تھے، ایک مرتبہ پندرہ
بیس منٹ گذر گئے اور وہ کسی طرف نظر نہیں آیا، ساتھیوں
کو یقین ہو گیا کہ اب کبھی واپس نہ آئے گا۔ افسر کی موت کا
یقین ہمیشہ سپاہیوں کی ہمت پست کر دیتا ہے اور اکثر
موقعوں میں تو بڑی بڑی فوجوں کو صرف ایسے ہی اتفاقات
سے ہزیمت ہوئی۔ تاریخ کی قدیمی روایات میں افسر اعلیٰ
کے کام آ جانے پر اس کے کپڑے لکڑی کے ڈھانچوں کو
پہنا دیئے گئے ہیں، مگر مسلمان مجاہد کا حاسہ اس کی اور
خصوصیات کی طرح اس بارہ میں بالکل برعکس ہے، شیر کی
شکست اس کی فتحیابی سے زیادہ خوفناک ہوتی ہے، اسی
طرح مسلمان مجاہد کو شکست کا یقین اور زیادہ باہمت
اور بے پروا کر دیتا ہے، جوں ہی مجاہدین کو اپنے امیر
جماعت کی شہادت کا یقین ہوا وہ نعرۂ جنگ جس کی ہر
تکرار اپنے اندر شجاعت و دلیری کی ایک حیات تازہ رکھتی
ہے بلند کر کے ایک آخری جاں گسل حملہ کر دیا کہ امیر شک

کے بعد تو زندگی اب اور کم ضروری ہوگئی ہے، یہ گویا جرِ شجاعت کی دو سو موجوں کا طوفانی ہیجان تھا جس نے دو ہزار ٹن کے اس اطالی جہاز کو غرق کر دینے کے لئے تہ و بالا کر دیا، لیکن تھوڑی دیر کے بعد ایک جماعت صفیں درہم برہم کرتی ہوئی دور تک نکل گئی تو دیکھا کہ امیر زندہ سلامت ایک تودۂ ریگ کی آڑ میں موجود ہیں البتہ دو گولیاں دولت شہادت کی سینے میں امانت ہیں اور گو زخمی ہو چکے ہیں مگر قبضۂ شمشیر کے دولاب کی برقی سرعت کسی انسانی ہستی کو قریب سے گذرنے نہیں دیتی ہے۔“

* * * *

جو لڑائی کسی انسانی زندگی کے ماتحت ہے اس کی فتح و شکست کو بھی اس زندگی کے بقا و فنا پر موقوف ہونا چاہیئے لیکن مسلمان مجاہدین کا دفاعی قتال کسی انسانی ارادے کے ماتحت نہیں ہوتا، بلکہ اس نصرت فرما حی و قیوم کی راہ میں ہے جس کے لئے کبھی زوال و فنا نہیں؛ ان کا دل دست الٰہی میں ایک آلۂ معطل ہے؛ یُقلبها کیف یشاء وہ کسی انسانی افسر کی نہیں بلکہ خدا کی فوج ہیں جس کو دشمن کا کوئی حربہ اور حربے کا کوئی نشانہ زخمی نہیں کر سکتا: وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُوْن (۳۷-۱۷۳) یہ وہ حزب الٰہی ہے کہ انسانوں کی تعداد قلیل پر حکم چلانے والے افسر بجائے خود رہے، (جبل احد) کے دامن میں انھیں خود خدا کے بھیجے ہوئے سپہ سالار اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خبر وفات سنا کر کہا گیا تھا وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِن مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ۔

یہ عدیم النظیر فتحیابی فی الحقیقت حق اور صداقت کی بخشی ہوئی مافوق الفطرت طاقتوں کا نتیجہ تھی جو اصطلاح قرآنی میں نصرت الٰہی کی جنود مخفی ہے، وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (۹-۲۶) لیکن بظاہر امیر موصوف کی کاردانی اور دشمنوں کی اس بزدلی نے جو ہمیشہ ضربات اٹھانے کے لئے مستعد رہتی ہے اس کی تکمیل کر دی۔ سب سے پہلے پچاس آدمیوں کا نظر آنا، پھر نماز سے فارغ ہو کر امیر علی کا مع پچاس ساتھیوں کے حملہ آور ہونا، ابھی سو تلواروں میں چمک ہی رہی تھیں کہ تازہ دم سواروں کی تیسری جماعت کا ناگہانی آپڑنا اور ایک لمحہ کے لئے فرصت نہ دینا، یکے بعد دیگرے یہ واقعات اس طرح پیش آئے کہ حیرت و تعجب نے رعب و ہیبت سے ملکر دشمنوں کے حواس گم کر دیئے، دو سو آدمیوں کو اس بے پروائی سے لڑتے اور بتدریج ظاہر ہوتے دیکھکر انہیں یقین ہوگیا کہ کوئی بہت بڑی کمک ان کے پیچھے مخفی موجود ہے جو اسی طرح یکے بعد دیگرے ظاہر ہو کر قیامت برپا کر دے گی۔ وہ اسی خوف و ہراس کے تذبذب میں تھے کہ شمالی جانب کی تیسری سو آدمیوں کی جماعت کا نعرۂ تکبیر دور سے سنائی دیا فَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا رعب و اضطراب نے ان کو یقین دلایا کہ وہ غیر معلوم مخفی کمک سر پر آگئی ہے فَزَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ معاً تمام فوج میں گھبراہٹ پھیل گئی اور سب کے قدم اس طرح اکھڑے کہ پانچ پانچ میل تک اپنے متعاقبین کی ضربوں سے گرتے چلے جاتے تھے مگر دم لیکر مقابلہ کرنے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِى الْاَبْصَارِ۔

* * * *

انوکھا اندازِ گفتگو !

عبد اللہ بن المبارک فرماتے ہیں کہ میں حج بیت اللہ اور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر کی زیارت سے فارغ ہو کر لوٹ رہا تھا راہ میں ایک اعجوبۂ روزگار عورت سے ملاقات ہوئی، جب اس عورت سے قریب ہوا تو میں نے کہا: السلام علیکِ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ جواب ملا۔

—— سَلَامٌ قَوْلًا مِّن رَّبٍّ الرَّحِیم۔

میں: تم یہاں جنگل میں کیا کر رہی ہو؟

عورت: ومن یضلل اللہ فلا ھَادِیَ لہ
(جس شخص کو اللہ راہ میں بھٹکتا چھوڑ دے کون ہے جو اس کی راہنمائی کرے)

میں سمجھ گیا کہ وہ راہ بھٹک گئی ہے اس لئے صحرا نوردی کرتی پھر رہی ہے۔

میں: —— تم کہاں جانا چاہتی ہو؟

عورت —— سبحان الذی اسری بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی
(پاک ہے وہ ذات ہے جو اپنے بندے (محمد) کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گئی)

مذکورہ آیت تلاوت کرنے سے اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ وہ فریضۂ حج ادا کر کے لوٹ رہی ہے اور اب بیت المقدس جانا چاہتی ہے

میں —— تم کتنے دن سے اس بیابان میں بھٹک رہی ہو!

عورت —— ثلاث لیال سویًا (کامل تین راتوں سے)

میں —— میرا خیال ہے کہ تمہارے ساتھ کچھ کھانے وغیرہ کا سامان بھی نہیں ہے؟

عورت —— فان لم تجد واماء فتیمّموا صعیدا طیبًا (اگر پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمم کرلو)

میں —— میرے ساتھ کھانا موجود ہے، کیا میں تمہارے لئے کھانا لاؤں؟

عورت —— ثم اتمّوا الصیامَ الی اللیل۔
(پھر روزوں کو رات تک پورا کرو)

وہ کہنا چاہتی تھی کہ میں روزہ سے ہوں۔

میں —— یہ تو رمضان کا مہینہ نہیں ہے؟

عورت —— ومن تطوع خیرا فان اللہ شاکر علیم
(جو شخص خود اپنے طور پر بھلائی کا کام کرے گا اللہ قدردان اور علم والا ہے)

مطلب یہ تھا کہ نفل روزہ ہے۔

میں —— سفر میں تو اللہ تعالیٰ نے روزہ افطار کرنا مباح قرار دیا ہے۔

عورت —— وان تصوموا خیر لکم ان کنتم

تَعْلَمُوْنَ . (اور اگر روزہ رکھ لو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے بشرطیکہ تم مناسب سمجھو)

میں — جس طرح میں تم سے گفتگو کر رہا ہوں تم ایسے ہی جواب کیوں نہیں دیتیں ؟

عورت — ما یلفظ من قول الا لدیہ رقیب عَتِیْد (کوئی بھی بولنے والا ایسا نہیں ہے کہ وہ کوئی بات کرتا ہو اور اس کا ایک نگراں ہمہ وقت تیار نہ رہتا ہو)

میں — تم کس قبیلے سے تعلق رکھتی ہو ؟

عورت — وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا . (ایسی چیزوں کے جاننے کے درپے نہ ہو جن کے بارہ میں تمہیں کچھ علم نہیں ، بے شک (قیامت کے دن) کان ، آنکھ اور دل وغیرہ سب ہی کے بارے میں سوال ہوگا)

میں — اگر میرے اس سوال سے تمہیں کوئی تکلیف پہنچی ہو تو میں اس غلطی پر معافی چاہتا ہوں ۔

عورت — لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ (آج کے دن تم پر کوئی ملامت نہیں ، اللہ تمہیں معاف کرے)

میں — اگر تم قافلہ کو پکڑنا چاہتی ہو تو میرے اس اونٹ پر سوار ہو سکتی ہو ۔

عورت — وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ (اور تم جو بھی بھلائی کا کام کرتے ہو اللہ کو اس کا علم رہتا ہے)

میں نے اپنا اونٹ بٹھا دیا اور اس کے سوار ہونے کا انتظار کرنے لگا ، میں نے محسوس کیا کہ اسے کچھ اضطراب تردد ہے ۔

عورت — قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم مومنین سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں)

فوراً میں نے نگاہیں نیچی کر لیں اور اس کی طرف پشت کر کے کھڑا ہو گیا ، جب وہ اطمینان سے سوار ہو گئی تو اس نے کہا :

سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ (پاک ہے وہ ذات جس نے اس (سواری) کو ہمارے تابع کیا ، حالانکہ اس کو قابو میں لانا ہمارے بس کی بات نہ تھی ۔ بے شک ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹنے والے ہیں)

اس کے بعد میں نے اونٹ کی نکیل پکڑ کر بہت تیز رفتاری سے چلنا شروع کیا ، اور میں اونٹ کو تیز چلنے پر آمادہ کرنے کے لئے منہ سے زور زور آوازیں بھی نکالتا جاتا تھا ، اسپر اس نے کہا :

اقْصِدْ فِیْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ۔ (رفتار میں اعتدال اور آواز میں پستی پیدا کرو)

جواباً میں نے رفتار ہلکی کر دی اور بجائے مختلف بے معنی آوازیں نکالنے کے میں نے شعر گنگنانا شروع کیا ، اسپر وہ بولی :

فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ (تم قرآن میں سے جو کچھ آسانی سے پڑھ سکتے ہو اس کی تلاوت کرو)

میں — الحمدللہ مجھے بھی اللہ نے بہت علم عطا کیا ہے ، اور جو کچھ تم کہہ رہی ہو وہ سب مجھے معلوم ہے ۔

عورت — وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ

(مگر نصیحت وہی لوگ حاصل کرتے ہیں جو عقل و
فہم والے ہیں)

تھوڑی دور چلنے کے بعد میں نے اس سے سوال کیا...
کیا تمہارا کوئی خاوند ہے؟

عورت:- یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْیَاءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ. (اے لوگو! تم ایسی چیزوں کے بارے میں مت سوال کرو جنہیں اگر تم پر ظاہر کر دیا جائے تو تمہیں بری لگیں)

اس کے بعد میں نے بالکل سکوت اختیار کر لیا، سفر برابر جاری رہا یہاں تک کہ قافلہ نظر آ گیا، تب میں نے اس سے کہا:

کیا دیکھ رہی ہو سامنے جہاں گرد و غبار اڑتا نظر آ رہا ہے اس مقام پر قافلہ ہے اور یہاں اس قافلہ میں تمہارا کون ہے؟

عورت:- اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِیْنَةُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا (مال اور اولاد دنیوی زندگی کی زینت ہیں)

میں:- ان کی قافلہ میں کیا حیثیت ہے؟

عورت: وَعَلَامٰتٍ وَبِالنَّجْمِ هُمْ یَهْتَدُوْنَ
اس آیت کی تلاوت سے اس کا مقصد یہ تھا کہ اسکے بیٹوں کو قافلے میں امتیازی حیثیت حاصل ہے۔

میں:- ان کے نام کیا ہیں؟

عورت:- وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِیْمَ خَلِیْلًا. وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِیْمًا. یٰیَحْیٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ.

. . . .

. . . .

میں سمجھ گیا کہ اس کے تین بیٹے ہیں اور ان کے نام ہیں: ابراہیم، موسیٰ اور یحییٰ۔ میں نے نام لیکر ان تینوں کو آواز دی تو تین خوبصورت نوجوان میری طرف بڑھے اور پھر جب انہوں نے اپنی والدہ کو دیکھا تو ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ ان کی ماں نے انہیں خطاب کرکے کہا:

فَابْعَثُوْا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖ اِلَى الْمَدِیْنَةِ فَلْیَنْظُرْ اَیُّهَا اَزْكٰى طَعَامًا فَلْیَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ
(سو اب تم اپنے میں سے کسی کو یہ روپے دیکر شہر روانہ کرو تاکہ وہ وہاں کھانے کی پاکیزہ چیزیں تلاش کرے اور اس میں سے تمہارے کھانے کے لئے لے آئے)

ان میں سے فوراً ایک لڑکا کھانا لینے چلا گیا، جب کھانا آیا تو میرے سامنے رکھدیا گیا اور اس عورت نے کہا:

—— كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِیْٓئًا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِی الْاَیَّامِ الْخَالِیَةِ (گذشتہ دنوں میں جو کچھ تم نے کیا اسکے باعث مزے سے کھاؤ پیو۔)

میں نے کہا خدا کی قسم مجھ پر یہ کھانا حرام ہے اس وقت تک جب تک کہ مجھکو تم لوگ اپنی والدہ کے بارے میں کچھ بتا نہ دو

ان نوجوانوں نے کہا:

یہ ہماری والدہ ہیں جو پورے چالیس سال سے صرف قرآن کریم کی آیات کے ذریعہ اپنے مافی الضمیر کا اظہار کیا کرتی ہیں، اور یہ اس ڈر سے کہ کہیں ان سے کوئی غلط بات نکل جائے اور وہ پروردگارِ عالم کی ناراضگی کا سبب بنے۔

مستقل عنوان

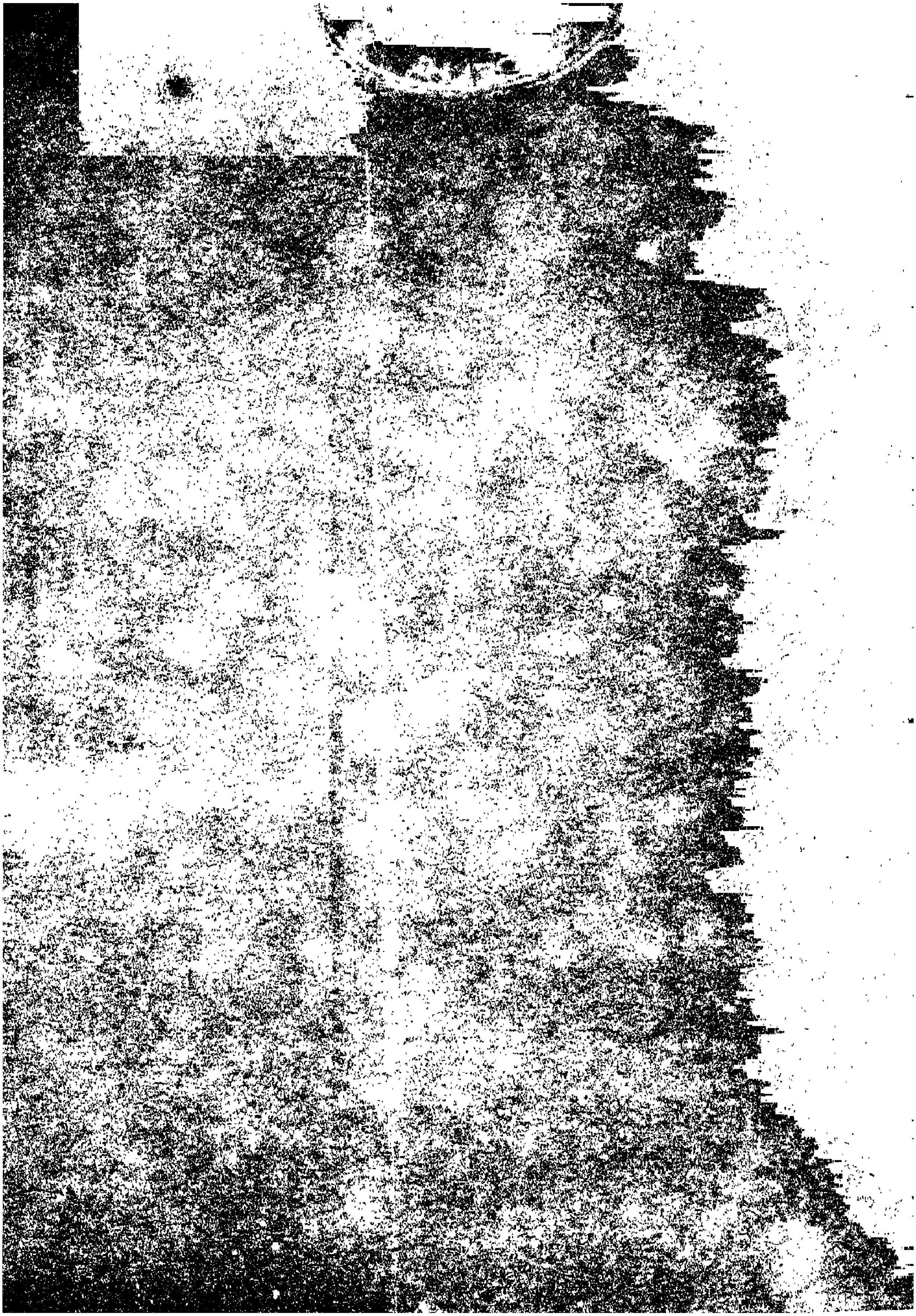
الدرس العربی

تُطلِقُ ۔ صناعیٌّ ۔ فَضَاء	(۱) اَمْرِیکا تُطْلِقُ قَمَرًا صناعِیًّا فی الفَضَاء
چھوڑے گی مصنوعی خلاء	امریکا خلا میں مصنوعی چاند چھوڑے گا
المَنَاطِق (واحد۔ منطقة) انفجار قُنْبُلَة	(۲) سُمِعَ فی بَعْضِ المَنَاطِق صَوْتُ انْفِجَارِ القُنْبُلَةِ ۔
علاقے پھٹنا بم	بعض علاقوں میں بم پھٹنے کی آواز سنی گئی
اِحْتَرَقَتْ الطائرةُ النَّفَّاثَةُ	(۳) احترقتِ الطائرةُ النفّاثةُ
جل گئی جیٹ ہوائی جہاز	جیٹ طیارہ میں آگ لگ گئی ۔
القُوَّاتُ الحُدُود	(۴) اِجْتَمَعَتِ القُوَّاتُ علی الحُدُود ۔
فوجیں سرحد	سرحدوں پر فوجیں جمع ہوگئیں
قَذَفَتْ قُنبُلَتَيْنِ	(۵) قَذَفَتِ الطائرةُ قُنبُلَتَيْنِ
پھینکا دو بم (دو بموں کو)	ہوائی جہاز نے دو بم پھینکے
اَطلق الجیش الرَّصاصات ۔ الرصاص	(۶) اَطْلَقَ الجَيْشُ الرَّصاصاتِ علی العَدُوّ
چلایا، چھوڑا ۔ لشکر گولیاں گولی	فوج نے دشمن پر گولیاں چلائیں ۔
لا تُقامُ قَاعِدَة حربيّة هنا	(۷) لَا تُقَامُ هُنا قَاعِدَةٌ حَرْبِيّةٌ ۔
قائم نہیں کیجائے گی جنگی اڈہ یہاں	یہاں کوئی جنگی اڈہ نہ قائم کیا جائے گا
قد اُوقِفَ زَحْف نَحْوَ البلد	(۸) قد اُوْقِفَ زَحْفُ القُوَّاتِ نَحْوَ البَلْدَةِ
روک دیا گیا پیش قدمی جانب، طرف شہر	شہر کی جانب فوجوں کی پیش قدمی روک دی گئی
نَسَفَ جُسُور واحد: جِسْر	(۹) نَسَفَ العدوُّ الجُسُورَ بالقَنَابِلِ
تباہ کردیا پل	دشمن نے بموں کے ذریعہ پلوں کو اڑادیا (تباہ کردیا)
اَصَابَت رَصَاصَة قائد الجیش	(۱۰) اَصَابَتْ رَصَاصَةٌ قَائِدَ الجَيْشِ
لگ گئی گولی فوج کا کمانڈر	فوجی کمانڈر کے ایک گولی لگ گئی

ماہنامہ

1(2)

دار الفکر دیوبند (یوپی)



جمادی الاول ۱۳۸۱ھ
اکتوبر ۱۹۶۱ء

القاسم

جلد (۲)
شمارہ (۱)

مدیر مسئول
وحید الزماں کیرانوی
فاضل دیوبند

مرتب
سید عبد الرؤف عالی
مظاہری القاسمی

معاون
ابوالحسن بارہ بنکوی
فاضل دیوبند

ترتیب مضامین

قیمت

- سالانہ ۔ عام خریداران سے ۔ پانچ روپے
- ” ۔ معاون خریداران سے ۔ دس روپے
- ” ۔ اعزازی ” ۔ بیس روپے
- ” ائمہ۔ طلبہ اور لائبریریوں سے ۔ چار روپے

فی پرچہ ——— ۵۰ نئے پیسے

ھدیہ

- جو حضرات القاسم کے لئے کم از کم چار خریدار مہیا کریں گے انھیں ایک سال تک پرچہ بلا قیمت بھیجا جائے گا۔
- پانچ خریدار مہیا کرنے پر "القاموس الجدید" (اردو عربی ڈکشنری ہدیۃً پیش کیجائے گی
- دو خریدار بنانے پر چھ ماہ کے لئے پرچہ مفت یا المطالعۃ المحمودۃ تین حصے مفت پیش کئے جائیں گے

نرخ اشتہارات

فی صفحہ ایک دفعہ کے لئے ۔ بیس روپے
” تین ماہ کے لئے ——— پچاس روپے
” چھ ماہ کے لئے ——— نوے روپے
” ایک سال کے لئے ——— ایک سو ساٹھ روپے

پاکستان میں رقم جمع کرانیکا پتہ ———

محمد زاہد صاحب ۔ زاہد پریس ۔ قلعہ روڈ ——— حیدرآباد سندھ ۔ اس پتہ رقم بھیجکر منی آرڈر کی رسید دفتر القاسم کو بھیجدی جائے۔

ایڈیٹر پرنٹر و پبلشر وحید الزماں قاسمی نے نیشنل پرنٹنگ پریس دیوبند میں چھپوا کر دفتر القاسم دار الفکر دیوبند سے شائع کیا۔

القاسم کا دوسرا سال

الحمدللہ!

"القاسم" زندگی کے دوسرے سال میں قدم رکھ رہا ہے، یہ شمارہ جو اس وقت آپ کے زیرِ مطالعہ ہے دوسرے سال کا پہلا شمارہ ہے، ہم جن مقاصد اور جن عزائم کو لے کر چلے تھے ان کی تکمیل کہاں تک اور کس حد تک ہوئی یہ بات ہمارے کہنے کی نہیں ہے۔ القاسم کے ایک سالہ شمارے اس کا ثبوت فراہم کر سکتے ہیں اور اس کا فیصلہ پڑھنے والوں کے ہاتھ میں ہے۔

اس مرحلے پر ہمارا قلم خداوند قدوس کے حضور ہدیۂ شکر و سپاس کے لئے سجدہ ریز ہے کہ اس نے ادب و صحافت کے اس ہنگامہ پرور دور میں فکر و نظر کی پامال راہوں سے جدا ایک ایسی منزل کی طرف راہ نمائی بخشی جو تعمیری فکر، صحت مند ذہن اور صحیح تصورات کی منزل ہے۔

"القاسم" اپنے مقاصد اپنے مزاج اور اپنی صورت و سیرت کے لحاظ سے ان دلفریب رعنائیوں کے غازہ سے یکسر محروم رہا جو آج التفاتِ قلب و نظر کے لئے ضروری ہے۔ وہ علم و فن کی ان دل آویز نمائشوں کو بھی اپنے دامن میں جگہ نہیں دے سکا جن کی دلربائیاں صحافت کے عام تماشائیوں کے لئے دعوتِ نظارہ بن سکتی ہیں، ہم زندگی کے بارہ میں جن تصورات کے حامل ہیں، انسانی قدروں کے جن سانچوں کو اپنا سرمایہ سمجھتے ہیں اور فکر و نظر کے جن پیمانوں پر یقین رکھتے ہیں وہ اس دور کے مزاج سے یکسر متغائر، آج کے مشاغل سے بالکل متضاد اور وقت کی دلچسپیوں سے سراسر مختلف ہیں۔ ہمارے سامنے ماضی کا عظیم ورثہ، حال کے تجربات اور مستقبل کے امکانات ہیں۔ ہم نے نئے رجحانات کے طوفان میں وقت کے دھارے کے خلاف اپنی کشتی ڈالی تھی اور اس عزم کے ساتھ اس سفر پر چلے تھے کہ خطرات کو انگیز کریں گے حوادث کو خوش آمدید کہیں گے اور تلخیوں کو انگبیں سمجھیں گے۔ تحدیث بالنعمہ کے طور پر ہم اس حقیقت کا اظہار کر رہے ہیں کہ بحمداللہ ہمارے اس عزم میں جو توانائی آغازِ سفر کے وقت تھی وہی آج بھی ہے۔ ہم انہی ارادوں، انہی مقاصد اور انہی ولولوں کے ساتھ القاسم کے سفر کو جاری رکھنا چاہتے ہیں جن کا توشہ لے کر ہم نے یہ سفر شروع کیا تھا۔

اس ایک سالہ زندگی میں لغزشوں اور کوتاہیوں کے باوجود ہم نے اپنے قارئین کی طلب، ان کے ذوق اور ان کے مزاج کے مناسب فکر و نظر کا ساز و سامان، علم و ادب کی غذا اور دین و اخلاق کی پونجی فراہم کرنے کی مخلصانہ سعی سے دریغ نہیں کیا۔

اس نئے سال کے آغاز پر ہم اسی اخلاص و یگانگت کے ساتھ اپنے حلقۂ احباب و ہمدردان کو یہ یقین دلاتے ہیں کہ ہم ان کے ذوق کی تسکین اور القاسم کے مقاصد کی تکمیل کے لئے اپنی جدوجہد میں کوئی کمی نہیں کریں گے گزشتہ یک سالہ سفر کے تجربات کی روشنی میں آئندہ القاسم کی معنوی ترتیب اور اس کے ظاہری محاسن کو بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش جاری رہے گی۔ مگر ہماری یہ کوشش اسی وقت بارآور ہو سکتی ہے جب ہمارے مخلص احباب کا تعاون ہمیں نہ صرف یہ کہ بدستور حاصل رہے بلکہ اس میں زیادہ سے زیادہ اضافہ ہو۔ یہ بات ہمارے ہر ہمدرد اور مخلص کے پیش نظر رہے کہ القاسم مسلک دیوبند کا ترجمان بھی ہے اور اتحاد ملت کا نقیب بھی، اصلاح امت کا داعی بھی ہے اور ماضی کی عظمتوں کا امین بھی، وہ حادثاتِ حال کا شاہد بھی ہے اور مستقبل کی صبح کا پیغامبر بھی، وہ اس مشن کو لے کر اٹھا ہے اور ہر فرد امت سے اس کا خطاب یہ ہے کہ فکر و نظر کی گمراہی چھوڑ کر صراطِ مستقیم پر آؤ، کتاب و سنت کا دامن پکڑو اور مسلمان بن کر رہو، عزت کی زندگی بسر کرو یا عزت کی موت مر جاؤ۔

ایک مسلمان فرد اور ایک مسلمان ملت کے لئے یہی راہِ عمل ہے۔ یہ القاسم کی دعوت کا خلاصہ ہے اور یہی تحریک دیوبند کا حاصل ہے۔ یہ وہ راہ ہے جس پر القاسم کا کارواں رواں دواں ہے۔ اس راہ میں صعوبتیں بھی ہیں اور کلفتیں بھی۔ لیکن اس راہ میں ایک قدم بھی ایک مستقل زندگی ہے اور اس راہ کی شہادت ایک نقشِ جاوداں۔ جس کو توفیق میسر ہو اس کے لئے یہ کارواں منتظر ہے۔

ایک چیلنج ——— ایک سوال؟

سیکولر ہندوستان کی بدقسمتی یہ ہے کہ اس ملک کے موجودہ راہ نما جس سمت اس ملک کے عوام کو لے جانا چاہتے ہیں، عوام کے اندر اس سمت جانے کا نہ جذبہ ہے نہ شعور ہے۔ آج پندرہ برس ہونے کو آئے سیکولرازم کا کاغذی پروپیگنڈہ ایوانِ پارلیمنٹ سے لے کر ہریجن کی جھونپڑی تک اور پنڈت جواہر لال نہرو کی کوٹھی سے لے کر یو۔ این۔ او۔ اور اسمبلی تک بڑے طمطراق سے ہوتا رہا ہے۔ لیکن ہم اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کر سکتے کہ ہمارے ان راہ نماؤں کی گفتگوئیں مجلسی باتوں کی حیثیت رکھتی ہیں جن کی جڑیں زبان سے اتر کر قلب تک اور کانوں سے گزر کر دماغ تک نہیں پہنچ پاتیں۔ سیکولرازم کے نام پر قانون سازی، اس کے نام پر کانفرنسیں اور اسی عنوان سے تجاویز کا ایک تسلسل ہے جو ختم ہونے میں نہیں آتا۔ مگر اس سیکولرازم کے نقوش ملکی زندگی پر بہت مدھم نظر آتے ہیں۔ عوامی زندگی کا دھارا جس سمت کو ۱۹۴۷ء سے قبل بہ رہا تھا اسی سمت ۱۹۴۷ء کے بعد بھی بہتا رہا۔ بدگمانیوں، بے اعتمادیوں اور کینہ پروری کا تخم بظاہر مرجھا گیا مگر درحقیقت دلوں کے غلاف میں اس کی پرورش ہوتی رہی۔ تنگ نظر، کم ظرف اور کج فہم ذہنیتیں دب گئیں پر ختم نہیں ہوئیں۔ عصبیتوں کا چرچا، اور فرقہ واریت کی جنگ دیکھنے میں بند ہو گئی لیکن واقعۃً سماجی زندگی کا کوئی گوشہ اس کے زہر سے پاک نہیں ہو سکا یہی وجہ ہے کہ ۱۹۴۷ء کے بعد سے کسی سال کا شاید کوئی ہفتہ ایسا گزرا ہو جس میں نا سیکولر ذہن نے سیکولر تصورات

کوزک نہ پہنچائی ہو اور ملک کا کوئی گوشہ ایسا رہ گیا ہو گا جہاں اس غلط عوامی طرز فکر کا کوئی مظاہرہ نہ ہوا ہو - ہم دیکھتے ہیں کہ قومی یکجہتی کانفرنس کی تجویزیں پاس کر کے ابھی ملک کے راہ نما فارغ ہی ہوئے تھے کہ علی گڑھ کے فساد نے قومی یکجہتی کے ان تصورات پر بھرپور ضرب لگائی جنھیں ہمارے قائدین سیاست نے مستقبل کی تعمیر کا سنگِ بنیاد قرار دیا تھا - پھر یہ ضرب کاری چندوسی، ہاپوڑ، آگرہ اور میرٹھ میں جتنی عظیم وخطرناک ثابت ہوئی وہ بلاشبہ قومی یکجہتی کانفرنس کے مدبرین کے لئے ایک چیلنج ہے - ہم جاننا چاہتے ہیں کہ ہمارے لیڈر اس چیلنج کا جواب کس طرح دیتے ہیں - اس سلسلے میں ہم شری بی .سی گپتا اور شری چرن سنگھ سے بہت کچھ توقعات رکھتے ہیں، جنہوں نے ان فسادات کے سلسلے میں اپنی سرگرمی اور مستعدی کا ثبوت دے کر نہ صرف اقلیتوں کا اعتماد حاصل کرنے کی کوشش کی ہے بلکہ ہندوستان کے دوسرے راہ نماؤں کے لئے ایک قابلِ تقلید مثال بھی قائم کر دکھائی - تاہم ان فسادات نے جو رخ اختیار کیا ہے وہ ایک زبردست خطرہ کا الارم ہے -

نتائج کچھ بھی ہوں ان فسادات نے اکثریت کے سامنے صرف ایک ہی سوال لا کھڑا کیا ہے جو بھارت کے وزیر داخلہ شاستری جی کے الفاظ میں یہ ہے کہ آیا اب اکثریت مسلم اقلیت کو اس ملک میں مساوی حیثیت سے رکھنا چاہتی ہے

یا

اسے یہ حیثیت دینے پر آمادہ نہیں -

اسی کے ساتھ مسلم اقلیت کو بھی اب یہ سوچنا ہے کہ وہ اس ملک میں آئندہ آزادی اور عزت کی زندگی گزار بھی سکتی ہے یا نہیں - اور گزار سکتی ہے تو کس طرح؟ یہ مسئلہ کسی اور کے سوچنے کا نہیں - خود اس کے سوچنے کا ہے -

آج ملک کے عوام کو سب سے پہلے اس سوال کا جواب سوچنا ہے اور حکومت کو اس چیلنج کا جواب دینا ہے جو ان فسادات کے نتیجے میں اُبھر کر سامنے آیا ہے : یہ حقیقت ہے کہ ہندوستان کا مستقبل پنج سالہ منصوبوں کے بغیر بھی تعمیر کیا جا سکتا ہے، مگر پُر امن اور سکون پرور عوامی زندگی بغیر ہندوستان کا کوئی مستقبل نہیں - ملک کے نوجوانوں کے اس کردار کے پیشِ نظر آخر ہم ترقی یافتہ قوموں کی برادری میں کس طرح کھڑے ہو سکتے ہیں -

ع   کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا؟

ضروری اطلاع

(۱) خریداران الفاسم خط وکتابت اور سالانہ قیمت روانہ کرتے وقت اپنا پورا پتہ صاف لکھیں اور خریداری نمبر کا حوالہ دینا بھی نہ بھولیں -

(۲) پرچہ نہ پہنچنے کی اطلاع ہر انگریزی ماہ کی آخری تاریخ تک دفتر میں آ جانی چاہئے -

(۳) جن حضرات کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے وہ آئندہ سال کے لئے قیمت روانہ کرنے میں عجلت فرمائیں -

شعاع امید

وَهُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَیَنْشُرُ رَحْمَتَہٗ وَهُوَ الْوَلِیُّ الْحَمِیْدُ ٥

اور وہی (خدا) تو ہے کہ جب خشک موسم میں لوگ بارش کی طرف سے بالکل نا امید اور مایوس ہو جاتے ہیں تو وہ اپنی رحمت کے بادلوں کو پھیلا دیتا ہے اور مینہ برسنا شروع ہو جاتا ہے۔ وہی کارساز حقیقی اور سزاوار حمد و تقدیس ہے

جب زمین آفتاب کے آتشکدۂ حرارت سے قریب ہو جاتی ہے اس کی شعلہ باریوں سے سطح زمین کا ذرہ ذرہ تپنے لگتا ہے، زندگی کی تمام علامتیں مفقود ہو جاتی ہیں، ہر شے پر مردنی اور ہر چہرے پر افسردگی چھا جاتی ہے، دریا اتر جاتے ہیں، ندیاں خشک ہو جاتی ہیں، زمین کے اندر کا خزانۂ رطوبت بھی خالی ہو جاتا ہے اور سبزۂ و گل کی نشو و تازگی اور کھیتوں کی شادابی دونوں خشک سالی کی تیغ سے ہلاک ہو جاتی ہیں تو اس وقت زمین اور زمین پر بسنے والی ہر نباتاتی اور حیوانی روح پانی کے لئے بے قرار ہوتی ہے اور کوئی آنکھ نہیں ہوتی جو آسمان کی طرف امید سے نہ اٹھتی ہو اور پھر مایوس ہو کر العطش۔ العطش نہ پکارتی ہو۔ لیکن جب مایوسی انتہا درجہ تک پہنچ جاتی ہے اور امید کا کوئی سہارا باقی نہیں رہتا تو پھر یکا یک عالم سماوی میں ایک انقلاب عظیم نمودار ہوتا ہے! و نجلی کی چمک اور بادل کی گرج صدائے امید بنکر دنیا میں پھیل جاتی ہے۔

اخلاقی حیات و ممات

انسانی قلوب کی حیات و ممات اور قوموں کی اخلاقی زندگی اور موت کا بھی یہی حال ہے۔ مایوسیاں جب حد درجہ تک پہنچ جاتی ہیں اور انسانی سعی امید کی کوئی راہ اپنے سامنے نہیں دیکھتی تو وہ خدا جو انسان کی جسمانی زندگی کے لئے اپنے آسمان کو حکم دیتا ہے کہ باران رحمت کا دروازہ کھول دے۔ ضرور ہے کہ ان کی قلبی زندگی کے لئے بھی اپنے ملائکہ رحمت کو بھیجدے تاکہ پیغام امید سے مردہ دلوں میں زندگی کی حرکت پیدا کر دیں ۔۔۔ اسلام پہلی چیز جو اپنے پیروؤں کو بخشتا ہے وہ امید ہی ہے۔ وہ کہتا ہے:

لَا تَیْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰہِ ـــــــــ خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہو

وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ـــــــــ اسے ہر چیز پر قدرت حاصل ہے

افاداتِ اکابر

حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمہ

رسالت محمدی

علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام

مذکورہ معیارِ رسالت کو سمجھ لینے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا ثبوت بالکل آسان ہو جاتا ہے۔ کیونکہ آپ کے بے شمار علمی اور عملی کارنامے اس وقت بھی دنیا کی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہیں اور نہ تمام اولوالعزم انبیاء علیہم السلام کے معجزات ملکر آپ کے معجزات کی ہمسری کر سکتے ہیں۔ آپ کی فہم و فراست اور اخلاقِ حمیدہ کا موافق و مخالف سبھی نے اعتراف کیا ہے، چار دانگ عالم میں آپ کی صداقت کا سکہ بیٹھ گیا ہے اور دنیا کے ہر خطہ میں آپ کا آفتاب فیض لمعہ افگن ہے۔

جب ایک غیر متعصب اور عقلمند آدمی آپ کے احوال کا انبیاء سابقین کے احوال سے اور آپ کی تعلیم کا ان کی تعلیم سے اور آپ کی قوت و عزیمت کا ان کی قوت و عزیمت سے مقابلہ کرے گا تو وہ لازمی طور پر صرف یہی نہیں کہ آپ کی صداقت اور پھر رسالت کا قائل ہو جائے گا بلکہ ختم رسالت کا بھی زبان و دل سے معترف ہو جائے گا۔ عرب کی جہالت، درشت مزاجی اور گردن کشی وغیرہ خصائل سے کون واقف نہیں، اک ایسی قوم کہ جس کے پاس نہ کوئی آسمانی کتاب اور نہ کوئی دوسرا ذریعۂ ہدایت ہو، اس کی اخلاقی حالت انتہائی پست اور جس کے نزدیک قتل و غارت گری ایک معمولی بات ہو، عقل و فہم کی یہ کیفیت کہ پتھروں کو اٹھا لائے اور پوجنے لگے۔ نخوت و سرکشی کی یہ صورت کہ کبھی کسی بادشاہ یا امیر کی اطاعت قبول نہ کی ہو، بے حسی اور جفاکشی اس درجہ کہ ایک بے آب و گیاہ ملک میں شاد و خرم زندگی بسر کرے۔ ایسے جاہلوں اور خودسروں کو راہ پر لانا ہی دشوار تھا چہ جائیکہ علم الٰہیات، علم معاملات، علم عبادات، علم اخلاق، اور علم سیاست مدن میں انھیں اس درجہ پر پہنچایا کہ نامور حکماء بھی رشک کرنے لگے اور دنیا نے ان کی اور ان کے شاگردوں کی شاگردی کی۔

ڈاکٹر لیبان کہتا ہے: "اس پیغمبر اسلام، اس نبی امی کی بھی ایک حیرت انگیز سرگذشت ہے جس کی آواز نے ایک ناہنجار قوم کو جو اس وقت تک کسی ملک گیر کے زیر حکومت نہیں آئی تھی رام کیا اور اس درجہ پر پہنچا دیا کہ اس نے عالم کی بڑی بڑی سلطنتوں کو زیر و زبر کر دیا اور اس وقت بھی وہی نبی امی اپنی قبر کے اندر سے لاکھوں بندگانِ خدا کو کلمۂ اسلام پر قائم رکھے ہوئے ہے۔

اگر انصاف سے دیکھا جائے تو آپ کے حسن اخلاق کا اندازہ کرنے کے لئے یہی کافی ہے کہ آپؐ کہیں کے بادشاہ تھے نہ بادشاہ کے گھرانے میں پیدا ہوئے تھے نہ مال و دولت آپ نے جمع کی تھی نہ آپ کے آباؤ اجداد نے کوئی اندوختہ میراث میں چھوڑا تھا نہ آپ کے پاس تنخواہ دار فوج تھی نہ اہل وطن آپ کے ہمراہ تھے نہ قبیلے والوں کو آپ کے مذہب سے ہمدردی تھی۔ ایسی بے کسی اور بے بسی کی حالت میں آپ نے ان تند خو گنواروں کو ایک صدائے نامانوس سے مخاطب کیا کہ جس سے بڑھ کر اس وقت تک ساری دنیا میں کوئی مکروہ آواز تھی اور نہ ایسی صلا دینے والے سے زیادہ ان کے نزدیک کوئی شخص ان کا دشمن اور بدخواہ سمجھا جا سکتا تھا یہ وہی لا الٰہ الا اللہ کی آواز تھی کہ جس نے دفعتہً تمام عرب ملک میں تہلکہ ڈال دیا جس سے باطل معبودوں کی حکومت میں بھونچال آنا شروع ہو گیا اور جس کی چمک سے اس کفر کی اور جہالت کی تاریکیوں میں بجلی سی کوند گئی گویا وہ ایک زور شور کی ہوا تھی جسکے چلتے ہی شرک و بت پرستی کے بادل چھٹ گئے اور آفتاب توحید ابر ظلمت سے باہر نکل آیا۔ ابابیل رحمت تھی جس کی بوچھار نے مخلوق پرستی کے سیاہ ہاتھیوں کے پرخچے اڑا دیئے اور خدا کے گھر کو ان کی زد سے بچا لیا۔

غرضکہ ایک ایسے بے یار و مددگار نے ایسی سخت قوم کو ایسے ظلمت کے زمانہ میں ایک اجنبی اور غیر مانوس پیغام سنایا اور تھوڑے ہی عرصہ میں ان سب کو ایسا مسخر اور گرویدہ بنا لیا کہ جہاں آپ کا پسینہ گرے وہاں خون گرانے کے لئے تیار ہو گئے۔ گھر بار کو ترک کر دیا زن و فرزند سے علیحدگی اختیار کی، مال و دولت کو سنگریزوں سے زیادہ حقیر سمجھا، بیگانوں سے آمادہ جنگ و پیکار ہوئے، کسی کو واصل جہنم کیا اور کسی کے ہاتھ سے خود شہید ہوئے۔ پھر یہ دو چار روز کا ولولہ نہ تھا بلکہ آپ کے بعد بھی اسی حالت پر برقرار رہے یہانتک کہ قیصر و کسریٰ کے تخت الٹ دیئے، فارس و روم کو تہ و بالا کر دیا اور اس پر معاملات میں وہ شائستگی رہی کہ کسی لشکری نے اپنے دفاع اور مقابلۂ جہاد کے سوا کسی کی ایذا رسانی یا ہتک ناموس کو گوارا نہ کیا۔ کیا تسخیر اخلاق کی کوئی ایسی مثال اس سے پہلے زمانہ میں بھی پائی گئی ہے؟ اب اسکے باوجود بھی کوئی یہ کہے کہ نہیں اسلام تو بزور شمشیر پھیلا ہے تو فی الواقع اس سے زیادہ کور چشم، تنگ دل اور متعصب کوئی نہیں ہو سکتا۔ کاش کہ رسول اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حمیدہ کا حال حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھتے اور وہ اپنے اسلام کا واقعہ ان کے سامنے بیان فرماتے یا سلمان فارسیؓ سے ان کی داستان سنتے یا عبد اللہ بن سلام کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے اعتراض پیش کرتے اور وہ ان کو اس کا جواب دیتے۔

یہ تو آپ کے اخلاق کی حالت تھی رہی آپ کے فہم و دانش کی دلیل تو سب سے بڑھ کر تو یہ کہ آپ بذات خود امی محض، جس ملک میں پیدا ہوئے جہاں ہوش سنبھالا بلکہ ساری عمر گذاری وہ علم و فن سے یک لخت خالی نہ وہاں علوم دینی کا پتہ نہ علوم دنیاوی کا نشان پھر ایسے ماحول میں، ایسا دین، ایسا آئین، ایسی کتاب لاجواب اور ایسی واضح ہدایات لائے کہ آج تک بڑے بڑے حکماء اس کی نظیر نہ پیش کر سکے بلکہ دنیا کے بڑے بڑے مدعیان

عقل وتہذیب نے اس کی داد دی، قرآن جیسا زندہ اور علمی معجزہ کس پیغمبر کو دیا گیا جس کا مقابلہ فصاحت و بلاغت میں، علوم و معارف میں، تحریف و تبدیل سے حفاظت میں دنیا کی کوئی دوسری کتاب نہیں کر سکتی اور نہ انشاء اللہ تعالیٰ کر سکے گی، قرآن کے حق میں ہم اس سے زیادہ اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ وہ خود تیرہ سو برس سے پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ جس میں ہمت ہو وہ میرا جواب لکھدے مگر آج تک کسی کا حوصلہ نہ ہوا اور نہ ہو گا کہ اسکی ایک چھوٹی سی سورت کی مثال بھی پیش کر سکے۔

اب میں اسکے سوا کیا کہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کہ اپنے اخلاق و عادات میں تمام انبیاء علیہم السلام سے فائق تھے ایسے ہی علوم کے بھی سارے مراتب آپ پر تمام کر دیئے گئے تھے کیونکہ انبیاء سابقین میں نہ ایسا اعجاز علمی کسی دیا گیا نہ ان کے اتباع میں کسی نے ان علوم کے دریا بہائے جو اہل اسلام نے بہائے ہیں اور جبکہ صفت علم تمام ان صفات کی خاتم ہے جو مربی عالم ہیں تو جس کا اعجاز علمی ہو گا گو یا اس پر تمام کمالات علمی کا خاتمہ کر دیا جائے گا اور اسی کو ہمارے نزدیک خاتم الانبیاء کہنا مناسب ہو گا اور چونکہ اس کا دین قیامت تک رہے گا اسلئے اس کی کتاب کا بھی تا قیامت باقی رہنا ضروری ہو گا ـــ قرآن کے علاوہ آپ کے جو علمی اور عملی معجزات ہیں ان کے بیان کی اس وقت بالکل گنجائش نہیں رہی اور نہ میں قلت وقت کی وجہ سے توریت وانجیل وغیرہ کی بشارات آپ کی نبوت کے متعلق نقل کر سکا۔ ــــــــ علمی اور عملی معجزات کی تفصیل حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کی کتاب "حجۃ الاسلام" میں اور بشارات کی تفصیل علامہ ابن قیمؒ کی ہدایۃ الحیارٰی میں دیکھ لی جائے۔

مولانا عبداللہ صاحب قاسمی

مظلوم صحابہؓ

ہجرتِ مدینہ

(قسط نمبر ۷)

ہجرتِ مدینہ مشرکین مکہ نے مسلمانوں کی ایذا رسانی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ تمام مظالم کے باوجود خدا پرستوں کا جوش روز بروز بڑھتا ہی چلا گیا۔ وہ ایک مضبوط چٹان کی طرح اپنی جگہ پر قائم رہے اور ہمت و استقلال کے ساتھ احکامِ اسلام بجالاتے رہے۔ بہرحال بادِ مخالف کے بہت سے تیز و تند جھونکے آئے مگر مسلمانوں کے پائے ثبات میں کبھی لغزش پیدا نہیں ہوئی۔

اب جب کہ کافروں کی ایذا رسانی انتہا کو پہنچ گئی اور زمین اپنی تمام وسعتوں کے باوجود خدا پرستوں پر تنگ ہوگئی تو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ حضور پر نورؐ کی اجازت پاتے ہی انفرادی طور پر خاموشی کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہونے لگے۔ ہجرت کا سلسلہ یوں ہی چپکے چپکے شروع ہوا، مگر جب کفار کو پتہ چلا کہ فلاں اپنے مکان کو تالا لگا کر مدینہ کا رخ کر رہا ہے تو وہ سدِّ راہ ہونے اور پوری کوشش کرتے کہ وہ ہجرت نہ کرنے پائے۔ ظلم کی حد ہوگئی کہ نہ وطن ہی میں چین اور سکون سے رہنے دیا جاتا ہے اور نہ وطن چھوڑ کر کہیں جانے کا موقع ملتا ہے۔ چنانچہ ابوسلمہؓ مدینہ جانے لگے تو کافروں نے ان کا بچہ چھین لیا اور بیوی کو بھی ساتھ نہیں جانے دیا۔ اُف کس قدر دردناک منظر ہے کہ ماں باپ اور بچہ سب ایک دوسرے سے بچھڑے ہوئے ہیں، شوہر اکیلا مدینہ پہنچتا ہے، بیوی ہے کہ صبح و شام تک ابطح (مقام) میں روتی دھوتی ہے، اس طرح ایک سال گزر جاتا ہے آخرکار کفار کو ان کے حال پر کچھ ترس آیا تو ان کا بچہ ان کے حوالے کیا اور مصیبت زدہ خاتون اپنے شوہر کے پاس مدینہ پہنچیں۔

بہرکیف یکے بعد دیگرے ہجرت کرنے والوں کا ایک تانتا بندھ گیا۔ حضرت عمر فاروقؓ

نے جب ہجرت کا ارادہ کیا تو پہلے علی الاعلان کہہ دیا کہ جس کو اپنی بیوی بیوہ اور اولاد یتیم بنانی ہو وہ میری شمشیر کو دیکھے اور مزاحمت کا مزہ چکھے، مگر کفار حضرت عمرؓ کی شجاعت سے واقف تھے اس لیے آپ کے قریب تک نہیں آئے، اس کے بعد آپ نے نہایت اطمینان سے مدینہ کی راہ لی۔ ہشام بن العاص نے بھی حضرت فاروق اعظم کے ساتھ ہجرت کا ارادہ کیا قوم کے لوگوں نے مزاحمت کی اور مدینہ جانے سے روک دیا۔

عیاش بن ابی ربیعہ بھی مدینہ کی طرف ہجرت کر گئے تھے مگر ابو جہل بن ہشام نے مدینہ میں ان سے یہ کہا کہ تمہاری والدہ نے اس بات کی قسم کھائی ہے کہ جب تک تم کو نہ دیکھ لیں گی اس وقت تک نہ سر میں کنگھی کریں گی اور نہ سایہ میں بیٹھیں گی۔ ماں کی یہ کیفیت سن کر دل بھر آیا وہاں سے واپس ہوئے مگر ان دونوں ظالموں نے راستہ میں آپ کو بند کر دیا اور طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائیں، اسی طرح ولید بن ولید اور سلمہ بن ہشام بھی مصیبت میں مبتلا تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں دعا فرمائی اللھم انج الولید بن الولید و سلمۃ بن ھشام و عیاش بن ابی ربیعہ۔ خداوندا! تو ولید اور سلمہ اور عیاش کو کفار کے ظلم سے نجات عطا فرما آپ کی دعا کی برکت سے یہ ایک دن رہا ہو کر مدینہ پہنچ گئے۔

تصور کیجیے وہ منظر بھی کس قدر دردناک اور متاثر کرنے والا ہوگا کہ مسلمان ایک ایک کر کے اپنے اپنے مکان پر تالے ڈال کر مکہ سے کوچ کر رہے ہیں اور اپنے وطن کی یاد کو دل میں بسائے ہوئے ہیں۔ وطن کی محبت طبعی چیز ہے۔ اور تو اور خود جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ سے روانہ ہوئے تو وطن کی محبت کا چشمہ ابل پڑا۔ ٹیلے پر سے مکہ پر نظر ڈالی اور یوں مخاطب فرمایا واللہ! انک خیر ارض اللہ واحب ارض الی اللہ ولولا انی اخرجت منک ما خرجت یعنی خدا کی قسم خدا کی سب سے بہتر زمین ہے اور سب سے زیادہ خدا کے نزدیک محبوب ہے، اگر میں نہ نکالا جاتا تو نہ نکلتا۔

دوسری روایت میں آیا ہے ما اطیبک من بلد واحبک الیّ ولولا ان قومی اخرجونی منک ما سکنت غیرک۔ یعنی تو کیا ہی پاکیزہ شہر ہے اور مجھ کو بڑا ہی محبوب ہے، اگر میری قوم تیرے اندر سے مجھے نہ نکالتی تو (میں تجھے کبھی نہ چھوڑتا اور) میں دوسری جگہ سکونت اختیار نہ کرتا۔ اب غور کرو مہاجرین کی قلبی کیفیت کیا تھی؟ ہم تو اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ بصد حسرت مکہ سے رخصت ہوئے۔ لیکن وطن سے جدا ہونے والے اپنے دل پر ہاتھ رکھیں اور جو کچھ ان کے دل پر گزر رہا تھا اس کا اندازہ کریں۔ "چلے جا رہے تھے وطن کا خیال دامن گیر تھا مگر خدا کی راہ پر وطن اور اہل وطن سب ہی کو قربان کر چکے تھے۔" غرض کہ رفتہ رفتہ تمام صحابہ کرامؓ

پہنچ گئے، یہاں اس بات کا ذکر بے محل نہ ہوگا کہ مسلمانوں کی ہجرت سے مکہ کے ایک حصے میں سناٹا چھا گیا تھا، جدھر دیکھو جا بجا مکانوں پر قفل زنانے پڑے ہوئے ہیں اور وہ زبان حال سے اپنے مکینوں کے نکالے جانے کا شکوہ کر رہے ہیں۔ مسلمانوں کے مکانات پر خاموشی اور ویرانی دیکھ کر عتبہ بن ربیعہ کا دل بھر آیا اور ایک سرد آہ بھر کر کہا:-

کل دار دان طالت سلامتہا ۵

یوماً ستدرکہا النکباء والحوب

ترجمہ:- ہر مکان خواہ وہ کتنے ہی عرصہ تک آباد اور عشرتکدہ بنا رہے لیکن ایک نہ ایک دن وہ غمکدہ اور ماتم کدہ بن جاتا ہے۔

اور پھر عتبہ بن ربیعہ نے کہا یہ سب کچھ ہمارے بھتیجے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا کام ہے جس نے ہم لوگوں میں نا اتفاقی پھیلا دی اور ہم کو ایک دوسرے کا دشمن بنا دیا۔

جب عتبہ بن ربیعہ اور سرداران قریش نے دیکھا کہ تقریباً تمام مسلمان مدینہ چلے گئے اور عنقریب پیغمبر اسلام بھی جانے والے ہیں تو آپ کے قتل کی سکیمیں بنانے لگے۔ لیکن حضور خدا کی حفاظت میں مدینہ پہنچ گئے اور کفار دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔

ہجرت کے بعد یہاں تک ہم نے ان مصائب و آلام کی چند جھلکیاں پیش کی ہیں جو مکہ کی زندگی میں مسلمانوں کو پیش آتی رہی ہیں۔ ہجرت کے بعد ایک نیا دور شروع ہوا جو پہلے کی بہ نسبت ایک حد تک مسلمانوں کے لیے باعث امن و اطمینان تھا مگر پھر بھی دشمنان اسلام کا خطرہ لگا رہتا تھا کیونکہ حضور پرنور کی ہجرت پر کفار مکہ کو بڑا غم و غصہ تھا اور ان کا ارادہ تھا کہ مدینہ پر حملہ کر کے اسلام اور حلقہ بگوشان اسلام کا خاتمہ کر دیں، چنانچہ چپکے چپکے جنگ کی تیاریوں میں مشغول تھے اسی وجہ سے صحابہ کرام رات بھر مسلح ہو کر سوتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کفار اچانک حملہ کر دیں۔ جب اسلام کی حفاظت یا یوں کہیئے کہ کافروں کے حملوں کی مدافعت کے لیے جہاد کا حکم نازل ہوا تو مسلمانوں نے مدافعانہ لڑائی کا آغاز کیا، غزوات اور سرایا کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں نے ہمیشہ ڈٹ کر مقابلہ کیا اور کفار کے نرغے میں آجانے یا ظالم ہاتھوں میں گرفتار ہونے سے کبھی یہ نہیں دیکھا گیا کہ کسی مسلمان نے مجبور ہو کر اسلام چھوڑ دیا ہو بلکہ یہی دیکھا گیا کہ لڑتے لڑتے جان دے دی۔ گرفتار شدہ مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ ہونے کے لئے ہر قسم کے لالچ دیئے جاتے یا قتل کی دھمکی دی جاتی تو وہ ہر بلا اور مصیبت کو اسلام کی خاطر برضا و رغبت برداشت کرتے مگر اسلام کو چھوڑنے پر کسی صورت میں آمادہ نہ ہوتے۔ مسلمانوں کے دین اسلام پر استقلال و استقامت کے واقعات کی زینت بنے ہوئے ہیں جس کے شاہد غزوات اور سرایا ہیں۔ جن کے تذکرہ کا اگرچہ یہ موقع نہیں لیکن مثال کے طور پر مختصراً ان کا بیان کر دینا نامناسب بھی نہیں۔

جنگ احد کے اس گوشہ پر نظر ڈالیے جہاں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کفار کے نرغہ میں ہیں جو دشمنوں کے تیر و تفنگ سے آپ کا چہرۂ انور زخمی ہو گیا ہے ، ایک دندانِ مبارک بھی شہید ہو چکا ہے ۔ ایسے نازک موقع پر آپ خون پونچھتے ہوئے فرما رہے تھے کیف یفلح قوم خضبوا وجہ نبیھم وھو یدعوھم الی ربھم یعنی وہ قوم کس طرح فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کا چہرہ خون سے آلودہ کر دیا جب کہ وہ انھیں ان کے رب کی طرف بلاتا ہے ۔

اس موقع پر صحابہؓ نے نہایت استقلال کا مظاہرہ کیا ۔ پیغمبر اسلام کی حالت ناگفتہ بہ ہو گئی تھی ۔ حضرت ابو طلحہؓ نے آپ کو سہارا دیا ، آپ اٹھ کھڑے ہوئے ، حضرت ابو عبیدہؓ نے اپنے دانتوں سے کھینچ کھینچ کر خود کی کڑیاں نکالیں جو حضورؐ کے پُر چہرہ میں گھس گئی تھیں ، حضرت ابو عبیدہ کے دو دانت بھی اس جدوجہد میں ٹوٹ گئے ، حضرت ابو دجانہ سپر بن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جھک گئے تھے ۔ حضرت سعد بن وقاص آپ کے پاس کھڑے ہوئے دشمنانِ اسلام پر تیر برسا رہے تھے ۔ غرض یہ کہ مسلمانوں نے حتی الامکان پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وسلم کو کفار کے حملوں سے محفوظ رکھنے کی پوری پوری کوشش کی ، اس جد وجہد میں اپنی جانوں کا بھی کوئی خیال نہیں کیا ۔ اور بے مثال ثابت قدمی کے ساتھ کفار کا مقابلہ کرتے رہے ۔

ایک نظر خندق کھودنے والوں پر بھی ڈالئے یہ حضرات وہ ہیں جنھیں اسلام سے محبت اور کفر سے نفرت ہے ، انھیں پتہ چلا کہ اسلام کے دشمن مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے کے لئے مدینہ کی طرف آ رہے ہیں پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وسلم نے حفاظت کے لئے مدینہ کے گرد خندق کھودنے کا اہتمام فرمایا اور خود بھی خندق کھودنے میں شریک ہوئے ۔ اس کام میں جس قدر تکلیف اور محنت و مشقت اٹھانی پڑی ہو گی اس کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہوں نے کبھی اس کام کو کیا ہو دراں حالیکہ کھانے پینے کا بھی کوئی انتظام نہ ہو ۔ بہرکیف وہ منظر قابل دید تھا کہ مسلمان فاقہ پر فاقہ گزار رہے ہیں مگر جوشِ محبت اور جذبۂ دین کا یہ عالم کہ مٹی اٹھا کر پھینکتے وقت بیک زبان کہتے ہیں :-

نحن الذین بایعوا محمداً علی الجہاد ما بقینا ابداً

ترجمہ :- ہم وہ ہیں جنھوں نے ہمیشہ کے لئے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر جہاد کی بیعت کی ہے ۔

پیغمبر اسلام بھی مسلمانوں کے ساتھ خندق کھودنے میں شریک ہیں اور یہ اشعار بلند آواز سے پڑھتے ہیں

اللھم لولا انت ما اھتدینا ولا تصدقنا ولا صلینا

ترجمہ :- خدایا اگر تو نہ ہوتا تو ہم صحیح راستہ سے بھٹک جاتے اور نہ زکوٰۃ دیتے ، اور نہ نماز پڑھتے

فانزلن سکینۃ علینا وثبت الاقدام ان لاقینا

ترجمہ :- (الٰہی) ہم پر سکون و طمانیت نازل فرما اور ہمارے قدموں کو دشمن کے مقابلے میں جما ۔

(باقی صفحہ ۱۴ پر)

سلسلۂ علوم ولی اللّٰہی
قسط نمبر ۲

الطاف القدس

(مولانا محمد عثمان کاشف الہاشمی)

ذکر و فکر کی دوسری قسم

وہ ہے جس کی تکمیل و تربیت ایسے حضرات کے مبارک ہاتھوں سے ہو کہ جن کو قدرت کاملہ نے انسانوں کی رہنمائی کے منصب پر سرفراز کیا ہے، امت مرحومہ کی برکات کا ظہور ان ہی سے ہوا ہے اور ان کو ارادۂ الٰہی کے ظہور کا ذریعہ بنایا گیا ہے جن چیزوں کی ضرورت تھی وہ ان کو الہام کی گئی ہیں، ان حضرات نے سالکان راہِ طریقت کے واسطے ایک راہ بنائی ہے یہی راہ ان حضرات کے متبعین میں عہد بہ عہد برقرار رہی ہے۔ اسی راہ پر ان گنت افراد نے چل کر منزلِ مقصود پائی ہے۔ ان حضرات نے اس راہ کے نشیب و فراز کو بہت اچھی طرح کھول دیا ہے۔ ہر بیماری کا علاج، ہر آفت کی مکافات متعین کر دی ہے۔ اس مسلمہ حقیقت کے باوجود بھی اگر ان حضرات کے متبعین میں علم لطائف سے بے خبری ہو جاتی ہے تو چند در چند نقصانات کا پیدا ہو جانا یقینی ہے

پہلا نقصان

اکثر اللہ کے بندے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کا کوئی لطیفہ بہت قوی ہوتا ہے اور باقی کمزور ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں اگر غلطی سے شغل ذکر کرایا جائے، اور ایک ہی بار تمام لطائف کی اصلاح پر نظر ہو تو سالہا سال کا عرصہ چاہیئے کہ وہ قوی لطیفہ تمام لطائف سے اپنی قوت کو ظاہر کرے، اس میں حرکت اور جوش پیدا ہو، تب کہیں جا کر اس پر آثار تہذیب ظاہر ہوں اور سالک کو مقامِ اطمینان حاصل ہو۔ اس کے برعکس اگر پہلے اچھی طرح دیکھ بھال کر اسی لطیفہ پر توجہ ہو اور دوسرے لطائف پر اجمالی توجہ ہو تو اصل مقصد بہت جلد حاصل ہو سکتا ہے اور سالک کو تھوڑی سی مشقت سے مقامِ اطمینان میسر آ سکتا ہے۔ وگرنہ کتنے مراتب، کتنی منزلیں طے کرنی پڑتی ہیں اور اس کے بعد بھی وہی رہتا ہے۔

دوسرا نقصان

اگر دیکھے بھالے بغیر تمام لطائف پر زور ڈالنا شروع کر دیا جاتا ہے تو سالک پر ہزار ہزار حالتیں اور کیفیتیں طاری ہوتی ہیں جن میں وہ سرتا بقدم الجھ کر رہ جاتا ہے اس کو معلوم نہیں ہوتا کہ کون سا اثر کس لطیفے سے پڑ رہا ہے۔ اس طرح حیرانی، مایوسی، رنج، اضطراب سے دوچار رہے گا کہ مجھے کچھ حاصل نہیں ہوا، نتیجہ یہ ہوگا کہ چھوڑ چھاڑ کر بیٹھ رہے گا۔ اس کے برعکس اگر لطائف اور ان کے نتائج، اور فنا و بقا کے معاملے پر نظر رکھے گا وہ اس حادثہ سے دوچار نہ ہوگا۔

تیسرا نقصان اگر سالک اولیاء کے احوال کا جائزہ لے گا اور ان کے اقوال و اعمال میں اختلاف پائے گا تو عجب پریشانی کا شکار ہوگا، کبھی اس حالت پر آئے گا کبھی اس حالت پر آئے گا۔ اس کا انجام بھی یہی ہوگا کہ ہمیشہ منزل سے دور رہے گا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک سالک کسی شخص کی انتہا پر غور کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ سلوک کی حقیقت بس یہی ہے حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اولیاء کے احوال و اقوال میں جو اختلاف ہوتا ہے اور ابتداء جو الگ الگ صورتوں میں ہوتی ہے اس کا دارومدار سبب لطائف کی قوت یا ضعف ہے اور کچھ نہیں یہی چیز اصل سرشت بن جاتی ہے۔

چوتھا نقصان جو چیز یا جو مقصد علم لطائف کے بغیر ایک مدت میں حاصل ہوتا ہے وہ اس کے ساتھ بہت جلد حاصل ہو جاتا ہے، کھلے بندوں فوائد نظر آتے ہیں، بصیرت و معرفت کی راہیں کھلتی ہیں۔ یہاں تک غالباً علم لطائف کے فوائد کا اندازہ ہو گیا ہوگا۔

بقیہ صفحہ ۱۲۸

ان العدا الاقد بغوا علینا   اذا ارادوا فتنۃ ابینا

ترجمہ:- یہ دشمن بلا وجہ ہم پر چڑھ آئے ہیں، وہ فتنہ کریں، ہم فتنے کی بات نہیں چاہتے۔

ہم ابھی اوپر ذکر کر چکے ہیں کہ صحابہ کرام اور خود نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر دو دو تین تین فاقے گزر جاتے تھے، پیٹ پر پتھر باندھ کر کام کرتے تھے جاڑے کی شدت نے حالت اور بھی زبوں کر دی تھی۔ ایک دفعہ صحابہ کا بھوک سے بڑا حال تھا۔ چند صحابہ نے اپنا پیٹ کھول کر دکھایا دو دو پتھر بندھے تھے مگر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے پیٹ کھول کر دکھایا تو تین پتھر بندھے تھے، بہرحال ثابت قدمی کے ساتھ ۲۴ چوبیس دن میں تین ہزار متبرک ہاتھوں سے خندق کی کھدائی تکمیل کو پہنچی۔ اور مشرکین مکہ کے پہنچنے سے پہلے پہلے خندق تیار ہو گئی۔ دشمن کی فوج دس ہزار تھی۔ ایک مہینے تک محاصرہ رہا۔ اس محاصرہ کی وجہ سے کوئی چیز باہر سے مسلمانوں کو نہیں پہنچتی تھی۔ سامان رسد کی کمی اور بھی مسلمانوں کی پریشانی کا موجب ہوئی۔ ان تمام مشکلات کے باوجود مسلمانوں نے بے مثال استقلال و استقامت کا مظاہرہ کیا۔

اب ان مسلمانوں پر نظر ڈالی جائے جنہیں کفار نے قید کیا اور اسلام چھوڑنے پر مجبور کیا۔ مگر ان پاکباز اور صداقت پسند ہستیوں نے اسلام چھوڑنا تو درکنار کلمۂ کفر زبان پر لانا بھی گوارا نہ کیا اور کافروں کی ہر پیشکش کو ٹھکرا دیا۔ بات دراصل یہ ہے کہ جب محبت الٰہی کا غلبہ ہو اور اسلام کی محبت دل میں گھر کر گئی ہو تو مادی دنیا کی کشش بے اثر ہو جاتی ہے۔

مدرسہ دیوبند کا اساسی اصول یہ ہے کہ حزب ولی اللہ نے اپنے پہلے دور میں جس قدر علوم و معارف کی اشاعت ضروری سمجھی حنفی فقہ کی پابندی سے ان علوم و معارف کو تدریس تصنیف کے ذریعہ زندہ رکھا جائے تاکہ مدرسہ سے ایسے راسخ فی العلم علماء و متکلمین نکلیں جو مساجد و مدارس میں علمی کام کرنے کی پوری پوری صلاحیت و استعداد سے بہرہ ور ہوں۔ اخلاق حسنہ کے مالک ہوں اور امامت و قیادت کے فرائض کی بجا آوری میں یگانۂ روزگار ہوں۔

ابنِ سعود اور فتح ریاض

تاریخ جرأت و عزیمت کے چند دلچسپ و حیرت انگیز اوراق

ابن سعود سابق والئ حرم کی تاریخ جرأت و عزیمت کی
شاندار تاریخ ہے - آج کی محفل میں اس کے کچھ
دلچسپ اوراق ہدیۂ ناظرین ہیں -

ابن سعود لڑائی کے وقت اپنی اصلی کیفیت میں ہوتا تھا اسے لڑائی سے عشق تھا اور خاص کر دست بدست لڑائی سے جب کہ وہ سانڈ کی طرح ہنکارے بھرتا ہوا دشمنوں کے غول میں دوڑتا ہوا گھس جاتا تھا. وہ ان سب سے اونچا کھڑا ہوا نظر آتا اور اپنی تیز تلوار سے ذبح کرتا، وہ اس طرح جہاں کھڑا ہوتا اپنے چاروں طرف صفیں کی صفیں بچھا دیتا - اس کی تلوار بجلی کی طرح دشمنوں پر گرتی تھی، ایک آن میں اگر ادھر تھی تو دوسری میں اُدھر یہاں تک کہ کسی آدمی میں جرأت باقی نہ رہتی تھی -

الاحسا میں پہنچکر ابن سعود نے پہلے اعجمان پر حملہ کر دیا اور اس کے بعد ایک رشیدی لشکر پر لوٹ مار کی - اس کی کامیابیوں کی خبریں گرد نواح میں پہنچنے لگیں جس سے لوٹ مار کے دلدادہ بدوی چاروں طرف سے بڑی تعداد میں شامل ہونے لگے، اس کے علاوہ اس کے پاس اشرفیوں کے توڑے تھے اور اس کا ہاتھ کھلا ہوا تھا، بدوی قبائل کی سرداری کے لیئے یہی خصوصیات درکار ہیں -

چند ہفتوں کے اندر ابن سعود نے رشید کے حلیفوں کو آدھے ملک میں دق کر دیا لیکن ابن سعود کویت سے خاص مقصد سے نکلا تھا - اس کی غرض لڑائی اور لوٹ مار نہ تھی، اسے خوب معلوم تھا کہ بدوی لٹیرے جو اس کے ساتھ ہو گئے ہیں اُن کی قدر و قیمت کیا ہے - اس کے غزوات کی غرض صرف اتنی تھی کہ رشید کی دھاک جو نجدیوں اور ریاض کے لوگوں کے دلوں پر بیٹھ گئی ہے وہ دور ہو اور یہ لوگ رشید کے خلاف بغاوت کرنے پر آمادہ ہو جائیں -

اس کی غرض پوری نہ ہوئی اور نجدی نہ اٹھے. پہلے سال جب ابن سعود لشکر لے کر آیا تھا تو یہ سب رشید سے باغی ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے تھے اور پھر اپنی اس غلطی کا خمیازہ انہوں نے خوب بھگتا تھا، یہ لوگ

اب اس کے منتظر تھے کہ پہلے ابن سعود اپنی قابلیت رشید کے مقابلے میں ثابت کردے تو یہ بھی اٹھ کھڑے ہوں۔ برا وقت بھی آ ہی گیا ابن سعود کے حملے ناکام رہے، ابن کا روپیہ ختم ہوا اس کے اونٹ دوڑ کی دوڑ سے کمزور پڑ گئے، اس کی گولیاں گنتی کی رہ گئیں، بدوی قبائل نے جب دیکھا کہ لوٹ نہیں ملتی اور نہ روپیہ ملتا ہے وہ اسے چھوڑ کر چلتے بنے، رشید نے نجد میں اپنے لشکر کے چند دستے بھیج دیے جنہوں نے اسے وہاں سے نکال بھگا دیا۔ ابن سعود نے الاحسا کا رخ کیا مگر یہاں عجمان نے اس کو دم نہ لینے دیا، ترک بھی اس کے مخالف تھے انہوں نے بھی مبارک کو کہا کہ وہ اسے یہاں سے بلا لے۔

ابن سعود عجمان اور ترک دونوں پر لعنت بھیجتا ہوا صحرائے اعظم کی طرف چل دیا، یہاں ا کو ایک قاصد ملا جس کو عبدالرحمن اور مبارک نے اپنے خطوط دے کر بھیجا تھا۔ دونوں نے اس کو واپس آنے کا مشورہ دیا تھا اور لکھا تھا کہ ابھی معلوم ہوتا ہے کہ کام کا وقت نہیں آیا اس لیے کویت کو لوٹ آ مناسب ہے۔

جابرین کے کھجور کے درختوں کے نیچے ابن سعود نے اپنے آدمیوں کو جمع کیا اور سب حالات بتا اور کہا کہ اس کا تو اپنا یہ ارادہ مصمم ہو چکا ہے کہ وہ آگے جائے گا اور کوئی چیز اس کو اس ارادہ کی تکمیل رکاوٹ نہیں پیدا کر سکے گی، اگر اس کے حلیف اور دوست اسے چھوڑ کر بھی چلے جائیں گے تب بھی و بڑھے گا اور تنہا لڑے گا اور جو کامیابی کے مواقع یہ صحرائے اعظم مہیا کرے گا ان کو حاصل کرے گا اور ان ریاض پر اس کا قبضہ ہوگا۔ اس اعلان کے بعد اس نے کہا کہ جو بھی دوست واپس جانا چاہتے ہیں و چلے جائیں۔

بعض لوگ چلے گئے، جو لوگ ساتھ رہے ان میں ایک تو اس کا سگا بھائی محمد تھا اور دوسرا ا چچیرا بھائی من چلا اور بہادر عبداللہ ابن جلوی تھا۔ اور وہ تیس ۳۰ دوست تھے جو کویت سے ساتھ آ اور دس نئے آدمی تھے جو ریاض سے آکر شریک ہو گئے تھے۔ یہ غلاموں کو چھوڑ کر سب پچاس آدمی ان سے اب ابن سعود نے آخر وقت تک ساتھ دینے کی قسمیں لیں۔

ابن سعود اس وقت چاروں طرف سے خطرہ میں آ گھرا تھا، وہ بڑی امیدیں باندھ کر گھر سے اور اس پر اس کا پورا یقین تھا کہ جب نجدی اس کی صورت دیکھیں گے تو فوراً ساتھ ہو جا اور پھر اس کے پاس رشید سے لڑنے کے لیے ایک بڑا لشکر جمع ہو جائے گا یہ امیدیں اب سب خ تھیں اور اس وقت اس کی حیثیت ایک لٹیرے اور ڈاکو کی سی تھی۔

دشمن کے مخبر اس کو دیکھ رہے تھے اور اس کی ہر نقل و حرکت خبر پہنچا رہے تھے ا دیکھ بھال کرنے والے دستے ہر سمت میں یہ دیکھنے کے لیے کہ وہ کدھر جاتا ہے پھیلے ہوئے ابن سعود تمام قبیلوں کا نکالا ہوا تھا، ہر شخص کا ہاتھ اس کے خلاف تھا کیونکہ صحرا میں نا

کو دشمن بنا دیتی ہے لیکن اس نے ہمت نہ ہاری، وہ ایسے وقت میں جب ہر بات خلاف ہی پڑے وہ اور زیادہ دلاور بن جاتا تھا۔ اس کو اپنی کامیابی پر اب بھی ایسا ہی کامل یقین تھا جیسا کہ پہلے۔

ابن سعود نے قاصد سے کہا، لوٹ جاؤ اور جو حال تم نے دیکھا یا سنا ہے میرے باپ اور امیر سے جاکر بیان کر دو اور ان سے کہہ دو کہ اب مجھ میں صبر باقی نہیں کہ اپنے ملک کو اور گھر بار کو رشید کی ایڑیوں سے روندا ہوا دیکھوں، میں ہار اور جیت کی بازی موت سے لگائے ہوئے ہوں میں واپس نہ ہونگا جب تک کہ کامیاب نہ ہو جاؤں، میرے لئے ناکامی سے موت بہتر ہے لیکن تمام امور کارساز حقیقی کے ہاتھ میں ہیں جو بہت رحیم ہے۔

ابن سعود قاصد کو رخصت کر کے آئندہ کوئی نتیجہ خیز عملی تجویز تیار کرنے کی طرف متوجہ ہوا، اس نے اچھی طرح دیکھ لیا کہ اس کے چھاپے بیکار رہے ہے، اس کے پاس اب مٹھی بھر آدمی رہ گئے ہیں جن سے وہ کھلے میدان میں لڑائی نہیں لڑ سکتا۔ تمام حالات کو ذہن میں رکھ کر اس نے یہ رائے قائم کی کہ ریاض پر رات کے وقت چھاپہ مار کر شہر اور قلعہ پر قبضہ کر لیا جائے۔

اس نے ایک آدمی کو شہر اور قلعہ کی فوجی قوت معلوم کرنے کے لئے بھیجا۔ اس نے آکر یہ اطلاع دی کہ رشید کا مضبوط دستہ قلعہ المسمک میں ہے اور باقی شہر میں کچھ فوجی چوکیاں ہیں، حاکم ریاض بنی شمر کا شیخ عجلان ہے اس کا محل قلعہ کے بالکل مقابل ہے لیکن وہ رات کو قلعہ میں اپنے محافظوں کے پہرے میں رہتا ہے۔ ریاض کے شہری سب بیزار ہیں اور یہ دعائیں مانگ رہے ہیں کہ کوئی سعودی آجائے اور شہر پر قابض ہو کر رشید کے حاکم کو نکال دے یہ اس کی اطاعت کریں گے۔

ابن سعود کو ان خبروں کو سن کر اپنے ارادے میں اور پختگی پیدا ہوئی، مگر یہ امر بالکل صاف تھا کہ اس کے مٹھی بھر آدمی اگر کامیابی حاصل کر سکتے ہیں تو اچانک چھاپہ مار کر ہی کر سکتے ہیں اور اس کے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ دشمن کو اس کے ارادے کی ہوا بھی نہ پہنچے۔ اس کے لئے پہلی بات یہ کرنی ہوگی کہ یہ خبر اڑا دی جائے کہ اس کے سب ساتھی اسے چھوڑ کر چلے گئے، اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہنا ہوگا کہ وہ سب عرصہ کے لئے ان اطراف سے بالکل غائب ہو جائیں۔ چنانچہ اس نے صحرائے اعظم کا رخ پکڑا اور جنوب کی طرف کو چلا۔

پورے پچاس دن تک نہ تو اس نے کوئی غزوہ کیا اور نہ کہیں اپنے آپ کو ظاہر کیا۔ یہ زمانہ ابن سعود کی سخت ترین آزمائش کا زمانہ تھا۔ اس کے ساتھی بھی شل اور صحرا کے قبائل کے آدمیوں کے روز کے واقعات سے متاثر ہو جاتے تھے اور وہ ان میں شرکت کے لئے بے چین ہوتے تھے۔ خالی کھڑے ہونا ان کے لئے ایک آفت سے کم نہ تھا۔ ابن سعود کو اپنی پوری شخصیت کو ان کو قابو میں رکھنے کے لئے کام میں لانا پڑا یہ تو ان پر پہلے بھی پڑی تھیں اور وہ گھبرائے نہ تھے، لیکن اس وقت نہ حملے اور لوٹ کا جذبہ ان کو کستا تھ

اب اس کے منتظر تھے کہ پہلے ابن سعود اپنی قابلیت رشید کے مقابلے میں ثابت کر دے تو یہ بھی
برا وقت بھی آ ہی گیا ابن سعود کے حملے ناکام رہے، ابن کا روپیہ ختم ہوا اس کے اونٹ
سے کمزور پڑ گئے، اس کی گولیاں گنتی کی رہ گئیں، بدوی قبائل نے جب دیکھا کہ لوٹ نہیں ملتی ا
وہ اسے چھوڑ کر چلتے بنے، رشید نے نجد میں اپنے لشکر کے چند دستے بھیج دیے جنہوں نے اسے
بھگایا۔ ابن سعود نے الاحسا کا رخ کیا مگر یہاں العجمان نے اس کو دم نہ لینے دیا، ترک بھی
تھے انہوں نے بھی مبارک کو کہا کہ وہ اسے یہاں سے بلا لے۔

ابن سعود العجمان اور ترک دونوں پر لعنت بھیجتا ہوا صحرائے اعظم کی طرف چل
کو ایک قاصد ملا جس کو عبدالرحمٰن اور مبارک نے اپنے خطوط دے کر بھیجا تھا۔ دونوں نے
آنے کا مشورہ دیا تھا اور لکھا تھا کہ ابھی معلوم ہوتا ہے کہ کام کا وقت نہیں آیا اس لئے کو
مناسب ہے۔

جابرین کے کھجور کے درختوں کے نیچے ابن سعود نے اپنے آدمیوں کو جمع کیا اور س
اور کہا کہ اس کا تو اپنا یہ ارادہ مصمم ہو چکا ہے کہ وہ آگے جائے گا اور کوئی چیز اس کو اس
رکاوٹ نہیں پیدا کر سکے گی، اگر اس کے حلیف اور دوست اسے چھوڑ کر بھی چلے جائیں،
بڑھے گا اور تنہا لڑے گا اور جو کامیابی کے مواقع یہ صحرائے اعظم مہیا کرے گا ان کو حاصل کر
ریاض پر اس کا قبضہ ہوگا۔ اس اعلان کے بعد اس نے کہا کہ جو بھی دوست واپس جانا چ
چلے جائیں۔

بعض لوگ چلے گئے، جو لوگ ساتھ رہے ان میں ایک تو اس کا سگا بھائی محمد تھا ا
چچیرا بھائی من چلا اور بہادر عبداللہ ابن جلوی تھا۔ اور وہ تیس[۳۰] دوست تھے جو کویت سے
اور دس نئے آدمی تھے جو ریاض سے آکر شریک ہو گئے تھے۔ یہ غلاموں کو چھوڑ کر سب بچ
ان سے اب ابن سعود نے آخر وقت تک ساتھ دینے کی قسمیں لیں۔

ابن سعود اس وقت چاروں طرف سے خطرہ میں آ گھرا تھا، وہ بڑی امیدیں باندھ
اور اس پر اس کا پورا یقین تھا کہ جب نجدی اس کی صورت دیکھیں گے تو فوراً سا
اور پھر اس کے پاس رشید سے لڑنے کے لئے ایک بڑا لشکر جمع ہو جائے گا یہ امیدیں ا
تھیں اور اس وقت اس کی حیثیت ایک لیٹرے اور ڈاکو کی سی تھی۔

دشمن کے مخبر اس کو دیکھ رہے تھے اور اس کی ہر نقل و حرکت خبر پہنچا رہے
دیکھ بھال کرنے والے دستے ہر سمت میں یہ دیکھنے کے لئے کہ وہ کدھر جاتا ہے پھیلے
ابن سعود تمام قبیلوں کا نکالا ہوا تھا، ہر شخص کا ہاتھ اس کے خلاف تھا کیونکہ صحر

دشمن بنا دیتی ہے لیکن اس نے ہمت نہ ہاری، وہ ایسے وقت میں جب ہر بات خلاف ہی پڑے وہ
زیادہ دلاور بن جاتا تھا۔ اس کو اپنی کامیابی پر اب بھی ایسا ہی کامل یقین تھا جیسا کہ پہلے۔

ابن سعود نے قاصد سے کہا، لوٹ جاؤ اور جو حال تم نے دیکھا یا سنا ہے میرے باپ اور امیر سے
اکر بیان کر دو اور ان سے کہہ دو کہ اب مجھ میں صبر باقی نہیں کہ اپنے ملک کو اور گھر بار کو رشید کی ایڑیوں
سے روندا ہوا دیکھوں، میں ہار اور جیت کی بازی موت سے لگائے ہوئے ہوں میں واپس نہ ہونگا
جب تک کہ کامیاب نہ ہو جاؤں، میرے لئے ناکامی سے موت بہتر ہے لیکن تمام امور کارساز حقیقی کے
ہاتھ میں ہیں جو بہت رحیم ہے۔

ابن سعود قاصد کو رخصت کرکے آئندہ کوئی نتیجہ خیز عملی تجویز تیار کرنے کی طرف متوجہ ہوا۔ اس نے ابھی
طرح دیکھ لیا کہ اس کے چھاپے بیکار رہے، اس کے پاس اب مٹھی بھر آدمی رہ گئے ہیں جن سے وہ کھلے
میدان میں لڑائی نہیں لڑ سکتا۔ تمام حالات کو ذہن میں رکھ کر اس نے یہ رائے قائم کی کہ ریاض پر رات کے
وقت چھاپہ مار کر شہر اور قلعہ پر قبضہ کر لیا جائے۔

اس نے ایک آدمی کو شہر اور قلعہ کی فوجی قوت معلوم کرنے کے لئے بھیجا۔ اس نے آکر یہ اطلاع دی کہ
رشید کا مضبوط دستہ قلعہ المسمک میں ہے اور باقی شہر میں کچھ فوجی چوکیاں ہیں، حاکم ریاض بنی شمر کا
شیخ عجلان ہے اس کا محل قلعہ کے بالکل مقابل ہے لیکن وہ رات کو قلعہ میں اپنے محافظوں کے پہرے
میں رہتا ہے۔ ریاض کے شہری سب بیزار ہیں اور یہ دعائیں مانگ رہے ہیں کہ کوئی سعودی آجائے
اور شہر پر قابض ہو کر رشید کے حاکم کو نکال دے یہ اس کی اطاعت کریں گے۔

ابن سعود کو ان خبروں کو سن کر اپنے ارادے میں اور پختگی پیدا ہوئی، مگر یہ امر بالکل صاف تھا کہ
اس کے مٹھی بھر آدمی اگر کامیابی حاصل کر سکتے ہیں تو اچانک چھاپہ مار کر ہی کر سکتے ہیں اور اس کے لئے یہ امر
نہایت ضروری ہے کہ دشمن کو اس کے ارادے کی ہوا بھی نہ پہنچے۔ اس کے لئے پہلی بات یہ کرنی ہوگی کہ
یہ خبر اڑا دی جائے کہ اس کے سب ساتھی اسے چھوڑ کر چلے گئے، اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہنا ہوگا کہ وہ سب کچھ
عرصہ کے لئے ان اطراف سے بالکل غائب ہو جائیں۔ چنانچہ اس نے صحرائے اعظم کا رخ پکڑا اور جنوب کی طرف
کو چلا۔

پورے پچاس دن تک نہ تو اس نے کوئی غزوہ کیا اور نہ کہیں اپنے آپ کو ظاہر کیا۔ یہ زمانہ ابن سعود کی
سخت ترین آزمائش کا زمانہ تھا۔ اس کے ساتھی بھی شل اور صحرا کے قبائل کے آدمیوں کے روز کے واقعات
سے متاثر ہو جاتے تھے اور وہ ان میں شرکت کے لئے بے چین ہوتے تھے۔ خالی کھڑے ہونا ان کے لئے
ایک آفت سے کم نہ تھا۔ ابن سعود کو اپنی پوری شخصیت کو ان کو قابو میں رکھنے کے لئے کام میں لانا پڑا۔ سختیاں
تو ان پر پہلے بھی بڑی تھیں اور وہ گھبرائے نہ تھے، لیکن اس وقت نہ حملے اور لوٹ کا جذبہ ان کو اکساتا تھا۔

یہاں اب ایسا کوئی جذبہ موجود نہ تھا جو انھیں سنبھالے رکھتا بلکہ برخلاف اس کے وہ اب فاقے کرنے لگے تھے، ان کی خوراک کے لئے چند چھوارے یا کبھی کبھی ذرا سا گوشت اور ایک ٹکڑا پنیر کا ملتا تھا۔ پانی بھی بمشکل حاصل ہوتے تھے اس احتیاط سے کہ انھیں کوئی دیکھ نہ لے، وہ بیٹھ بیٹھ کر کسی کنوئیں تک جاتے تھے اور اسی طرح اپنے مشکیزوں میں بھر کر تھوڑا سا لے کر واپس آ جاتے تھے۔ اس پانی کو وہ اس وقت تک پیتے تھے جب تک کہ وہ ختم نہ ہو جائے یا وہ گدلا نہ ہو جائے اور اس میں چمڑے کی بو آنے لگے۔ جب اونٹوں کا چارہ ختم ہو جاتا تھا تو یہ تھوڑا سا اور آگے کو کھسک جاتے تھے اور جہاں کچھ دن کے لئے اونٹوں کا چارہ مل جاتا تھا وہاں ٹھہر جاتے تھے۔ وہ کھلے میدان میں سوتے تھے اور ہر وقت تاکتے رہتے تھے کہ کوئی انھیں دیکھ نہ رہا ہو۔ وہ بہت پھونک پھونک کر قدم رکھتے تھے کیونکہ قبائل میں خبر فوراً پھیل جاتی ہے۔

جب اس طرح بغیر ہاتھ پیر مارے دن پر دن گزرنے لگے تو سب آدمی بے چین ہونے لگے اور بحث کرنے اور بڑبڑانے لگے۔ انہوں نے کہہ دیا کہ اگر فوراً کوئی غزوہ کیا جائے تو وہ رکیں گے ورنہ وہ اپنے بیوی بچوں میں چلے جائیں گے۔ زندگی کا مقصد ان کے لئے جنگ جوئی تھا لیکن ابن سعود نے یہاں سے کہیں جانے دینے سے بالکل انکار کر دیا۔ چاہے وہ دو دن کے لئے ہی جاتے ہوں۔ اندیشہ یہ تھا کہ کہیں وہ منہ سے کچھ کہہ بیٹھیں اور پھر سارا بنا بنایا کام بگڑ جائے۔

اس نے ان پر اپنی پوری قابلیت درخواست و التجا، سختی اور دھمکی سب کی سب صرف کر دی، کسی کو سمجھایا، کسی کو دھمکایا اور کسی کے غیور دل کو ٹھیس لگائی، غرض کہ اس طرح ان کو قابو میں لے لیا کہ ان کے سامنے ایک ہی مقصد ہو گیا اور ایک ہی غرض اچانک چھاپہ مارنے کی ان کی نظروں میں سما گئی۔ ابن سعود میں یہ وہ نادر صفات تھیں جو شاید ہی کسی اور میں پائی جاتی ہیں۔ جب وہ کوئی فیصلہ کر لیتا تھا تو دنیا کی کوئی طاقت ایسی نہ تھی جو اس کو اس سے ہٹا دے۔

رمضان المبارک کا مہینہ بھی آ گیا۔ ابن سعود، جلوی اور بہت سے دوسرے ساتھی سختی سے روزے رکھتے تھے، سحری اور افطاری بہت کم کھاتے تھے۔ انہوں نے پورے بیس روزے یہاں رکھے بیسویں روزے کو افطار کے بعد اور مغرب کی نماز پڑھ کر ابن سعود نے کوچ کا حکم دیا۔

انہوں نے فوراً اپنا سامان درست کیا اور چل پڑے، وہ بڑی احتیاط کے ساتھ سفر کرتے تھے اور صرف رات کے وقت ہی چلتے تھے اور عام راستوں کے نشانوں سے بچ کر چلتے تھے۔ دن میں مقام کرتے تھے۔

6 چاند نہ نکلتا تھا رات کی چوتھی اور آخری منزل میں تھا اس لئے راتیں اندھیری تھیں جس کی وجہ سے ان کو دیکھ بھال کرنے والے آدمی بہت آگے رکھنے ہوتے تھے۔ اندیشہ یہ تھا کہ وہ کہیں کسی بدو قبیلے کے مقام پر نہ آ نکلیں یا کہیں بکریاں چرانے والے یہ جماعت سے مڈبھیڑ نہ ہو جائے۔ وہ آہستہ چلنے پر مجبور تھے۔ کیونکہ ان کے اونٹ

دبلے ہو گئے تھے اور ان کے پاؤں میں زخم پڑ گئے تھے۔

ابو جیفان کے کنوؤں پر انہوں نے عید منائی اور روزے ختم ہوتے یہاں سے چل کر وہ طویق پہاڑ کے پیچھے جو ریاض کے شمالی رخ پر واقع ہے جا پہنچے یہ اونچے پر تھے اور نشیب کی زمین میں بہت سے گاؤں آباد تھے اس اندیشے سے کہ انھیں کوئی دیکھ نہ لے ان کے لئے ضروری ہوا کہ وہ تیزی سے اس علاقے سے نکل کر ریاض پہنچ جائیں لہٰذا ابن سعود نے اونٹوں کو تیزی سے چلانے کا حکم دیا اور پیشتر اس کے کہ ان کی خبر ان سے آگے پہنچے وہ کھجور کے ایک جنگل میں جو ریاض سے صرف ڈیڑھ گھنٹے کی مسافت پر واقع ہے آ گئے۔

یہاں سب اونٹ جنہوں اور سامان کو چھوڑ کر اور بیس آدمیوں کو ان کی حفاظت پر متعین کر کے ابن سعود آگے کو بڑھا۔ اس نے ان آدمیوں کو یہ حکم دیا کہ وہ اسی وقت آگے کو چلیں جب ان کو طلب کیا جائے۔ اور اگر چوبیس گھنٹے کے اندر ان کو کسی قسم کی کوئی اطلاع نہ ملے تو وہ کویت کا راستہ پکڑیں۔ اور اس کے باپ کو جا کر یہ کہہ دیں کہ یا تو وہ مارا گیا یا دشمن کی قید میں آ گیا۔

وہ کھجور کے اس جنگل میں ہو کر پیدل چلا۔ اس کے ساتھ چالیس آدمی تھے، اس کی نگاہ میں اس وقت کوئی عملی تجویز ایسی نہ تھی کہ چھاپہ کہاں مارا جائے اور کس طرح، شہر میں اس کے راز دار اور حلیف نہ تھے وہ خدا کے بھروسے پر یہ سوچ کر کہ جو کچھ بھی پیش آئے گا اس کے حسب حال عمل پیرا ہو گا، چل پڑا تھا۔

شمسہ پر جا کر جہاں جنگل ختم ہوتا ہے اور جہاں سے باغات کا سلسلہ شروع ہوتا ہے وہ ٹھہر گیا۔ اس نے کھجور کا ایک درخت اس لئے کاٹا تاکہ اس کا کھر درا تنا شہر پناہ کی دیوار پر چڑھنے کے لئے سیڑھی کا کام دے سکے، جلوی اور چھ آدمیوں کو منتخب کیا اور ان کو اپنے ساتھ لیا، باقی آدمیوں کو محمد کے سپرد کیا اور حکم دیا کہ وہ اپنے پیچھے کے آدمیوں کی خبر رکھیں اور اس کے پیام کے منتظر رہیں۔ اس نے کہا۔

دیکھو اگر کوئی میرا پیام کل تک تمہارے پاس نہ پہنچے تو فوراً گھر کو لوٹ جانا اور جان لینا کہ ہم مارے گئے سوائے بزرگ اور برتر خدا کے کسی میں نفع اور ضرر پہنچانے کی طاقت نہیں۔

جلوی کو ساتھ لئے اور پیچھے چھ آدمی کھجور کا تنہ اٹھائے ہوئے ابن سعود باغوں سے آگے کی طرف آہستہ آہستہ چلا، پیچیدہ کھجور کے درختوں میں سے گزرتا ہوا مٹی کی پگڈنڈیوں کو پھاندتا ہوا پانی کی گولوں کے پار ہوا اور پہرہ داروں کی آہٹ لیتا ہوا اور کتوں کی غراہٹ پر کان دھرتے ہوئے وہ شہر پناہ کے بالکل نیچے جا پہنچا۔ یہ جگہ ایک قبرستان کے قریب ہے جہاں سے مکہ کو راستہ جاتا ہے۔

شہر پناہ کے نیچے کی خندق میں پانی نہ تھا اسی میں چھپ کر ابن سعود اور اس کے چند دوست تھوڑی سی دیر کے لئے بیٹھ گئے اور رات کی خاموشی اور تاریکی میں انہوں نے آوازوں کی طرف کان لگائے انہوں نے پہرہ داروں کی آوازیں دور قلعہ کی طرف سے آتی ہوئی سنیں۔ ایک پہرہ دار گشت میں

ادھر آیا للکارا اور چل دیا۔ اس نے نہ ان کو دیکھا اور نہ ان کی آہٹ سنی۔ اس کے بعد پھر ہر طرف خاموشی ہو گئی۔

اب وہ اٹھے اور کھجور کے تنے کو شہر پناہ کی دیوار کا سہارا دے کر ایک ایک کر کے دیوار پر چڑھ گئے اور جھکے جھکے تھوڑا سا آگے کو سرک کر اندر سڑک پر کود گئے۔ یہ جاڑوں کی رات تھی اور تیز ہوا چل رہی تھی اس لئے تمام اہل شہر اپنے اپنے گھروں میں دروازے بند کئے سو رہے تھے، ان کو کسی نے نہ دیکھا۔ یہاں سے وہ اپنے اسلحہ کو اپنے کپڑوں میں اس طرح لپیٹ کر کہ کھڑکا نہ ہو ایک قطار میں ہو کر سڑک پر آگے کو چلے اور جو امیر جو محل کا ملازم تھا اس کے گھر کا راستہ لیا۔ اس کا گھر امیر کے محل کے قریب تھا۔ یہاں آکر ابن سعود نے دروازے پر دستک دی، ایک عورت اندر سے بولی۔

کون کھٹکھٹاتا ہے؟

ابن سعود نے جواب میں کہا۔ میں امیر عجلان کے ملازموں میں سے ہوں اور آپ کے شوہر کے پاس ایک غرض سے آیا ہوں۔

عورت۔ چلے جاؤ تمہاری غرض نیک نہیں ہے، کون ہے جو رات کو لوگوں کے گھر پر دستک دے، سوائے قصد فاسد کے۔

ابن سعود۔ خدا کی قسم خالہ میرا کوئی ایسا قصد نہیں ہے لیکن میں ڈرتا ہوں کہ کہیں کل آپ کے شوہر کو امیر اس جرم کی پاداش میں قتل نہ کردے کہ اس کا حکم نہ سنا یہ کہہ کر ابن سعود دروازے سے ذرا ہٹ کر ایک طرف کو کھڑا ہو گیا لیکن دروازے پر آنکھیں جمائے رکھیں اور اپنے آدمی بھی تیار رکھے۔ (باقی)

انیس احمد صاحب بی۔ اے

مآثرِ قاسمی

تاریخی پس منظر

جب کسی قوم کے فکر و عمل میں مطابقت نہیں رہتی تو قومی نظریات بھٹکنے لگتے ہیں اور غلط نظریات میں پلی ہوئی قوم بے راہی بلکہ گمراہی کا شکار ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کسی قوم پر نکبت و ادبار منڈلانے لگیں تو صرف تین صورتیں ممکن الوقوع ہیں، وہ قوم گر کر سنبھل جائے گی جیسے موجودہ زمانے میں جرمنی اور جاپان یا صفحۂ ہستی سے نابود ہو جائے گی جیسے عاد و ثمود ورنہ ہمیشہ ذلیل و خوار ہو کر رہے گی جیسے بنی اسرائیل۔

۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستان میں ملی استقلال نصرانیت کے طوفانی دھاروں کی لپیٹ میں تھا مسلمانوں کے مستقبل پر بے پناہ دھند چھائی ہوئی تھی، پوری قوم طوائف الملوکی، داخلی انتشار، اندرونی سازشوں، اور سات سمندر پار سے آئی ہوئی جابر قوم کی مکارانہ ڈپلومیسی میں الجھ کر حکومت، سیاست، معیشت، دین اخلاق، علم اور دیانت غرض کہ سب کچھ کھو بیٹھی تھی۔ حکومت کے ساتھ تعلیم بھی ختم ہوئی تو مسلمانوں کی حیات میں بے بسی و بے چارگی رچ بس گئی اور پھر افرنگی ملوکیت و استعمار نے ملک و ملت کو اپنے آہنی پنجہ میں اس طرح جکڑا کہ وہ بے بسی کے عالم میں مواج سمندر میں تنکے کا سہارا ڈھونڈنے لگی اور جب سہارا نہ ملا تو بے رحم لہروں پر ہچکولے کھانے لگی۔ نہ جانے بہتی بہاتی کس منجدھار میں جا ڈوبتی لیکن غیبی تائید کام آئی کہ اس وقت ملک میں چند ایسے صاحب دل اعیان ملت تھے جنہوں نے اپنے بے مثل علم و اخلاق، لاثانی فکر و حکمت، بے نظیر تدبر اور فقیرانہ چارہ سازیوں سے ڈوبتی قوم کو بچایا۔ اس نازک دور میں ذلت و ادبار کی پستی سے نکالنے کے لئے ان بیدار مغز اکابر نے اشاعتِ دین و ترویج علم کو قومی نصب العین قرار دے کر کئی جگہ اسلامی مدارس کھولے۔

مسلمانوں کی سیاسی جمعیت، متفرق اور ملی حیثیت منتشر ہونے کے سبب وقت کا اہم تقاضا اور ماحول کی مخصوص ضرورت علمِ دین کی اشاعت تھی لہذا روشن خیال اعیان اور روحانی پیشواؤں نے اسلامی علوم کی تعلیم و تدریس کی خاص ضرورت محسوس کی۔ ایک ایسے تعلیمی نظام کی جو خاص قسم کی دینی تعلیم اور روحانی تربیت کا معتدل سانچہ ہو جس میں ڈھل کر نکلنے والوں میں عقائد کی پختگی اور اخلاق کی بلندی اور کردار کی مضبوطی ہو اور جو ظاہری و باطنی اصلاح کا بہترین نمونہ ہوں۔ چنانچہ انھیں ضروریات کے پیش نظر اسلامی ہند کی تاریخ میں ایک مستقل دینی و علمی تحریک کی بنیاد پڑ گئی اور آنے والے دور میں دیو بند میں دارالعلوم، سہارن پور میں مظاہر العلوم اور مراد آباد میں قاسم العلوم عرف شاہی مدرسہ قائم کیا گیا۔

سیس دارالعلوم دیوبند

مولانا فضل الرحمنؒ، مولانا ذوالفقار علیؒ اور حاجی محمد عابد نے مدرسہ دیوبند قائم کیا تھا۔ ۱۵ محرم الحرام ۱۲۸۳ھ مطابق ۳۰ مئی ۱۸۶۶ء یوم پنجشنبہ اسلامی
د کی تاریخ میں وہ مبارک و مسعود بلکہ یادگار دن تھا جب کہ چھتہ کی مسجد کے فرش پر بقائے اسلام اور تحفظ علم دین
ے اعلیٰ نصب العین کے لئے انار کی ٹہنیوں کے سائے میں مدرسہ کا افتتاح ہوا۔ سب سے پہلا معلم محمود تھا اور
علم بھی محمود۔ معلم علامہ محمود دیوبندی تھے۔ اور متعلم شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی۔

ابتداء میں مختصر ترین پیمانہ پر تعلیم و تدریس کا انتظام کیا گیا تھا لیکن بعد میں بفضل ایزدی ہر ابا در قوم میں افزونی
وئی تو درجات بڑھا دیئے گئے۔ ازلی تقدیر کا ظہور اسباب و علل کے پردے میں ہوا۔ اور حضرت نانوتویؒ
ا مدرسہ میں دیوبند آئے اور ہر طرح اسلامی درسگاہ کے معاون و سرپرست ہو گئے تھے۔

حضرت نانوتوی رح کی مجلس خصوصی کے ایک اہم رکن حاجی عابد حسین قدس سرہٗ تھے جن کے تقویٰ و طہارت فضیلت
شمندی اور اصابت رائے کا خاص شہرہ تھا۔ اگرچہ آپ بانیانِ مدرسہ میں رکن رکین اور مخلص کارکن تھے تاہم
پ کے سامنے مدرسہ کا وہ مستقبل نہ تھا جو حضرت قاسم العلوم مولانا نانوتویؒ کو نظر آرہا تھا۔ حضرتؒ کی باطنی
ر کے سامنے یہ مکتب سے مدرسہ اور مدرسہ سے دارالعلوم ہونے والا تھا۔

مدرسہ جاری ہو چکا تھا لیکن اس کی کوئی مستقل عمارت نہ تھی۔ کرایہ کے مکانوں میں مدرسہ چل رہا تھا مگر جب
لبہ کی تعداد میں اضافہ ہوا اور مکانیت کی تنگی محسوس ہوئی تو حضرت نانوتوی رح کی یہ رائے ہوئی کہ مدرسہ کی کوئی
مستقل عمارت ہونی چاہیئے۔ اس باب میں مولانا محمد یعقوبؒ، مولانا گنگوہیؒ اور مولانا احمد علیؒ سہارنپوری حضرت
نوتوی رح کے ہمرائے و ہمخیال تھے۔ البتہ حاجی صاحبؒ نے نہ صرف ان اکابر کی رائے سے اختلاف کیا بلکہ شدت
ے مخالفت فرمائی، حاجی صاحب کی رائے میں عمارت مدرسہ کی تعمیر کے لئے یہ تمام مصارف غیر ضروری بلکہ ناواجب
تھے، ان کے خیال کے مطابق جامع مسجد کی سہ دری اور حجرے مدرسہ کی ضروریات کے لئے کافی ہو سکتے تھے لیکن ان
ابرین ملت کا خیال تھا کہ جامع مسجد اپنی تمام تر وسعت کے باوجود مدرسہ کے لئے ناکافی ہے۔ آخر مکان کے
سطے اشتہار جاری کیا گیا جس میں عامۃ المسلمین کو دعوت دی گئی۔ شیخ نہال احمد مرحوم نے فیاضانہ طور پر ایک
طعہ زمین مدرسہ کے لئے عنایت کیا تھا۔ پروگرام یہ تھا کہ بعد نماز جمعہ حضرت نانوتوی رح وعظ فرمائیں گے اور اس
ے بعد سارا مجمع مدرسہ کا سنگ بنیاد رکھنے کی تقریب میں شریک ہوگا۔ چنانچہ نماز جمعہ کے بعد حضرت نانوتویؒ نے
عظ فرمایا جس کے اختتام پر پورا مجمع جائے بنیاد کی طرف روانہ ہوا۔ اس پر حاجی صاحب خفا ہو گئے کہ تعمیر عمارت
بیکار اس قدر بار اٹھایا جا رہا ہے، یہ مصارف غیر ضروری ہیں۔ وہ جامع مسجد سے نکل کر چھتہ کی مسجد میں اپنے
حجرے میں جا بیٹھے۔

حضرت نانوتوی رح کو اس واقعہ کی خبر ہوئی مگر مجمع روانہ ہو چکا تھا جسے مدرسہ کے موجودہ شرقی دروازہ پر
روک گیا اور حضرت قاسم العلوم والخیرات چھتہ کی مسجد میں پہنچے۔ نہ جانے دونوں بزرگوں میں کیا معاملہ پیش آیا۔ تھوڑی

دیر بعد حاجی صاحب جائے بنیاد کی طرف تشریف لاتے نظر آئے۔ حضرت نانوتوی رح اور حاجی صاحب رح کو آتا دیکھ کر مجمع میں خوشی لہر دوڑ گئی اور پھر سب نے مل کر بتاریخ ۲ ذی الحجہ ۱۲۹۲ھ مطابق ۱۸۷۶ء درس گاہ نودرہ کی بنیاد رکھی۔ دارالعلوم کی سب سے پہلی عمارت یہی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ پہلی اینٹ مولانا احمد علی سہارنپوری[1] نے نصب فرمائی پھر ایک ایک اینٹ حضرت گنگوہی رح، حاجی محمد عابد حسین رح، مولانا محمد مظہر حسن رح اور حضرت نانوتوی رح نے رکھی۔ مولانا محمد یعقوب رح نے "اشرف عمارت" سے نودرہ کی تاریخ تعمیر کا مادہ نکالا تھا۔ یہ بات واضح رہے کہ نودرہ کا سنگ بنیاد ۱۲۹۲ھ میں رکھا گیا مگر اصل تعمیر اگلے برس شروع ہوئی اور پانچ سال میں نودرہ تعمیر ہوا تھا۔

شیخ الہند مولانا محمود الحسن رح فرمایا کرتے تھے کہ "حضرت قاسم العلوم والخیرات نے یہ مدرسہ درس و تدریس اور تعلیم و تعلم کے لئے قائم نہیں کیا تھا بلکہ حضرت نانوتوی رح کے سامنے کتاب و سنت کی ترویج کے ساتھ ایک اخلاقی اور ملی نصب العین تھا۔ یہ مدرسہ میرے سامنے قائم ہوا۔ جہاں تک میں جانتا ہوں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد اس ادارہ کی داغ بیل ڈالی گئی تاکہ کوئی ایسا مرکز قائم کیا جائے جس میں لوگوں کو ملی نصب العین کے تحت تیار کیا جائے۔ اور ۱۸۵۷ء کی ناکامی کی تلافی کی جائے۔ صرف تعلیم و تدریس جن کا نصب العین ہے میں ان کی راہ میں مزاحم نہیں ہوں مگر میں نے اپنے لئے اسی راہ کا انتخاب کیا جس کے لئے دارالعلوم کا یہ نظام حضرت نانوتوی رح نے قائم کیا تھا۔"

حکیم الاسلام حضرت نانوتوی رح کا خاص فکری نظام تھا جو علمی، اخلاقی، تہذیبی اور ملی نصب العین کے ساتھ کتاب و سنت رسول اللہ کی ترویج پر مشتمل تھا اور اس کی عملی تجربہ گاہ درس گاہ دیوبند تھی جس سے نکلنے والے علما میں تہذیب اخلاق و سیرت کے ساتھ امامت و قیادت کے جوہری اجزاء تھے، امامت و قیادت کا بنیادی فرق یہ ہے کہ قیادت میں صرف دماغ کام کرتا ہے مگر امامت میں دماغ کے ساتھ دل پر بھی زور دیا جاتا ہے کہ اصل منبع فیضان دل ہے۔

مدرسہ دیوبند کی یہی وہ اساسی خصوصیت تھی جس نے اس مدرسہ کے کاروبار تعلیم و تربیت میں دینی حمیت و غیرت اور حریت پر ور خصوصیات پیدا کیں۔ چنانچہ دارالعلوم دیوبند سے نکلنے والے علماء و فضلاء ایک خاص مکتب خیال کے نمائندے تھے جو امتیازی آثار و خصائص لے کر اطراف و اکناف ہند و بلاد اسلامیہ میں پھیلے اور صد سال کر آج بھی یہ دینی درس گاہ اپنی صد سالہ دینی خدمات، تعلیمی خصوصیات، معنوی برکات، تہذیبی اقدار، سماجی وقار، سیاسی موقف اور مذہبی آثار کی بنا پر معروف روزگار ہے۔

دانش گاہ دیوبند کا نصاب تعلیم | یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ ہر دانشگاہ کا نصاب تعلیم اس کی مخصوص فکری نہج اور

---

[1] بعض روایات میں اس طرح ہے کہ سب سے پہلے میانجی اصغر حسین رح کے نانا حضرت میانجی منے شاہ رح نے پہلی اینٹ رکھی پھر حاجی عابد حسین رح، مولانا گنگوہی رح اور مولانا نانوتوی رح نے اینٹیں رکھیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

نظریاتی مقاصد و اعمال کا آئینہ دار ہوتا ہے اور ایک کامیاب تعلیمی نظام میں لوچ بھی ہوتی ہے اور لچک بھی۔ ذہنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کی رعایت بھی ہوتی ہے اور جسم وجان کے تقاضوں کی تکمیل کا سامان بھی لہٰذا کسی فکری نظام کی کامیابی کا دار و مدار زیادہ تر نصابِ تعلیم پر ہے اور ایک بہتر تعلیمی نظام نصابی تعلیم اور غیر نصابی سرگرمیوں پر مشتمل ہوتا ہے تاکہ دل و دماغ کی بیداری اور جسم وجان کی ضرورتیں ہم آہنگ ہیں کیونکہ بہر صورت تعلیم کا مقصد ذہنی صلاحیتیں اجاگر کرنا اور تخلیقی قوتوں کو جلا دینا ہے تاکہ طلبہ فضائل اخلاق سے آراستہ ہوکر معاشرہ کے ذمہ دار ارکان کی طرح کاروبارِ حیات امانت و دیانت سے سرانجام دیں۔

قدیم وجدید نظریہ ہائے تعلیم کا بنیادی فرق یہی ہے کہ جدید نظریۂ تعلیم کے بموجب تعلیمی جد و جہد کا منتہائے مقصد طلبہ کی مخفی ذہنی صلاحیتوں کو اجاگر کرنا، علمی استعداد اور تخلیقی قوتوں کو جلا دینا ہے۔ معاشرتی مفکرین کا حقیقت پسند طبقہ موجودہ تعلیم کے معیار اور تربیت کے نتائج سے ایک حد تک مطمئن ہے۔ موجودہ زمانے میں علمی ماحول تعلیمی نظریئے، اصول، ضابطے، تشریحات، پرمغز فلسفیانہ تقریریں اور منطقی بحثیں درسگاہ کی چہار دیواری تک محدود و مقید رہ جاتی ہیں۔ جب کہ قدیم نظریۂ تعلیم کا مدعا تعلیم کے ساتھ تزکیۂ نفس تھا۔ کتاب و سنتِ رسول ؐ اللہ کے آئیڈیل کو حاصل کرنا تاکہ آفاقی و انفسی معبودوں کی فنا کے بعد مقام اخلاص حاصل ہو۔ اس آئیڈیل میں دونوں جہان کی فلاح و بہبود مضمر ہے۔

تیرھویں صدی ہجری میں ہندوستان میں علم کے تین مراکز تھے۔ دہلی، لکھنؤ اور خیرآباد یہ تینوں مراکز اپنی مختلف امتیازی خصوصیات کی بنا پر مشہور تھے۔

دہلی میں علم حدیث و تفسیر پر زیادہ توجہ دی جاتی تھی۔

لکھنؤ میں فقہ و اصول فقہ کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل تھی۔

خیرآباد فلسفہ و منطق کی تعلیم کا مرکز تھا۔

دارالعلوم دیوبند کے نصابِ تعلیم میں تینوں مکاتیب فکر کی خصوصیات جمع کی گئی تھیں۔ یہ نصاب علم صرف و نحو، معانی، ادب، فلسفہ و منطق، عقائد، فقہ، اصولِ فقہ، فرائض، حدیث اور تفسیر پر مشتمل تھا۔

ابتدا میں مدرسہ کی تعلیمی مدت دس برس مقرر کی گئی تھی لیکن ۱۲۸۵ھ میں یہ میعاد چھ سال معین ہوئی۔ اس مدت میں معقولات و منقولات کی مکمل تعلیم دی جاتی تھی۔ اس خصوص میں یہ بات بھی پیش نظر تھی کہ اگر ذہین اور شوقین طلبہ دارالعلوم سے فارغ ہوکر جدید علوم حاصل کرنا چاہیں تو ان کے کمال میں اضافہ ہو، نظریات و مقابلہ کی پختگی اور قلب و نظر کی بیداری کے سبب ان کے قدم نہ ڈگمگائیں۔ یہ بات علیحدہ ہے کہ بعد کے زمانہ میں اس قسم کا کوئی اعلیٰ نمونہ سامنے نہیں آیا جو علوم دین و دنیا میں یگانہ و منفرد ہوتا۔

حضرت نانوتوی رحمۃ نے مدرسہ دیوبند کا نصابِ تعلیم ایک مستقل نظامِ عمل اور بنیادی قواعد وضوابط خود مرتب فرمائے تھے۔ اس طرح آپ نے امام عبدالعزیزؒ کے مدرسۂ فکر اور حزبِ ولی اللہ کے مقاصد کو محفوظ کر دیا۔

قبر پرستی کا فتنہ

مولانا ابوالکلام آزادؒ

حقیقت حال یہ ہے کہ جب اسلام کا ظہور ہوا تو دنیا شرک اور بت پرستی میں غرق تھی۔ در من جملہ اقسام شرک کے ایک بڑی مہلک قسم یہ تھی کہ بزرگ اور مقدس انسانوں کی محبت و احترام کے غلط استعمال کی وجہ سے لوگوں نے ان کی اور ان کے آثار کی پرستش شروع کر دی تھی۔ کتنی ہی قوموں میں بت پرستی کا دروازہ اسی آثار پرستی سے کھلا۔ ابتدا میں یہ ہوا کہ بزرگ اور مقدس انسان نے دنیا سے انتقال کیا، اس کی محبت و ارادت کی وجہ سے اس کی یادگار کے آثار و تبرکات کی لوگوں نے عزت و عظمت کرنا شروع کر دی۔ عزت نے کچھ دنوں بعد اجلال و تعظیم کی شکل اختیار کی، اجلال و تعظیم پرستش و تعبد کا ذریعہ بن گئی جیسا کہ ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس نے سورۂ نوح کی تفسیر میں بہ سند صحیح فرمایا: انسانی پرستش کا اولین دروازہ یہی معاملہ ہے۔ اسلام دین آخری تھا اس لئے وہ تمام راہوں کو قطعاً بند کر دینا چاہتا تھا جو آگے چل کر شرک کا ذریعہ بن سکتی ہیں اسی لئے اس نے اس طرح کی تمام راہیں روک دیں اور صرف روکی ہی نہیں بلکہ ان کے منع میں اس قدر اہتمام کیا کہ جس بات میں کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ مشابہت بوجہ اشتباہ پائی اس کا فوراً سدّ للذریعہ انسداد کر دیا۔

یہاں صرف اس قدر اشارہ کرنا مقصود ہے کہ چونکہ بزرگوں کے آثار کی محبت و تعظیم کا غلو منجملہ ذرائع شرک و تعبد غیر اللہ تھا اس لئے اسلام نے اس کی روک میں بھی اہتمام بلیغ کیا اور اوائل میں مسلمانوں سے بوجہ قرب عہد جاہلیت جب کبھی کوئی ایسی بات کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سخت غضبناک ہوئے۔ اور بلا استثنا یہی حال خلفائے راشدین اور عہد صحابہ کا رہا۔

لیکن چونکہ یہ معاملہ نہایت نازک تھا، محبوب و مطاع کی محبت و تعظیم اور مبغوض و مردود سے بغض و استکراہ طبیعت انسانی کا فطری اقتضا ہے اور نوعِ انسانی کے لئے راہِ عمل کی سب سے بڑی آزمائش اسی میں ہے کہ فطری اعمال و جذبات میں توازن و اعتدال ملحوظ رکھا جائے۔ نیز چونکہ اسلام سے پیشتر تمام قومیں انبیاء و اکابر کے قبور و آثار کو پرستش گاہ بنا چکی تھیں اور نسلاً بعد نسل اس بات کی عادت و الفت طبائع میں راسخ ہو چکی تھی۔ اس لئے اگرچہ اسلام اور پیغمبر اسلام نے اپنی معجزانہ قوتِ اصلاح و انقلاب سے توحید کامل اور دین اللہ الخالص پر لوگوں کو مستقیم کر دیا تھا تاہم بعض اوقات ایسا ہوتا تھا کہ لوگ جذباتِ عقیدت و محبت سے بے اختیار ہو کر کوئی

ایسی بات کر بیٹھتے تھے جس سے بزرگوں کے آثار ومنسوبات کو زیارت گاہ بنانے کی راہ کبھی نہ کبھی نکل سکتی تھی یا حدِ شرع سے متجاوز تعظیم واجلال موصل الی الشرک کے ظہور کا اس میں امکان تھا۔ لیکن عہد صحابہ میں اسلام کی صحیح علم وعمل پژمردہ نہیں ہوئی تھی اور اس کا سلطان و نفوذ دلوں پر حاوی تھا۔ اس لئے عامۃ الناس کے جذبات بھی ضبط و حدودِ شرع سے متجاوز نہیں ہو سکتے تھے۔ جب کبھی کوئی ایسی بات کسی سے سرزد ہوتی تھی تو ان کے سربراہ فوراً اس کی روک تھام کر دیتے تھے۔ عوام کے یہ جذبات تعظیم واجلال ہر حال میں قابل رد و منع نہیں ہوتے تھے۔ ایسا بھی ہوتا تھا کہ کوئی ایسی بات کی جاتی جو فی نفسہٖ تو حدِ شرع سے متجاوز نہیں ہوتی تھی لیکن چونکہ اس کا امکان تھا کہ آگے چل کر یہی بات حدِ شرع سے متجاوز ہو کر تعظیم واجلال کا ذریعہ بن جائے۔ اور صحابہ کو معلوم تھا کہ گزشتہ اقوام خصوصاً اہلِ کتاب کے مبتلائے شرک ہونے کی راہ بھی ابتدا میں ایسی ہی باتوں سے کھلی تھی۔ اس لئے وہ فوراً چونک اٹھتے اور ایسی باتوں کو بھی بڑے زور اور اصرار سے سدًّا للذریعہ روک دیتے۔

من جملہ اس طرح کے واقعات کے دو دو واقعے بھی ہیں جن کا کچھ عجیب طرح کی تحریف وتخبیط کے ساتھ مولانا نے ذکر کیا ہے (یعنی مولانا عبد الباری فرنگی محلی مرحوم نے) پہلا واقعہ شجر بیعت رضوان کا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صلح حدیبیہ کے موقع پر صحابۂ کرام سے بیعتِ جہاد لی تو ایک درخت کے نیچے تشریف فرما تھے، اسی لئے وہ بیعت درخت والی بیعت کے نام سے اس وقت مشہور ہو گئی تھی۔ سورہ فتح میں اسی طرف اشارہ کیا ہے کہ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ: یعنی اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا جبکہ وہ ایک درخت کے نیچے تیرے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے۔ یہ درخت حضرت عمرؓ کی خلافت تک موجود تھا۔ لیکن جب حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ لوگ آنحضرت کے قیام وبیعت کی وجہ سے اس جگہ کو متبرک سمجھنے لگے ہیں اور بہ نیتِ تبرک اس کا قصد کرتے اور اس کے نیچے نماز پڑھتے ہیں تو انہوں نے حکم دیا کہ اسے جڑ سے کٹوا کر پھینک دیا جائے تاکہ اس کا اور اس جگہ کا نام ونشان باقی نہ رہے چنانچہ امام احمد اور طبرانی نے عیسیٰ بن یونس سے روایت کی ہے کہ امر عمر بقطع الشجرۃ والتی بویع تحتہا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقطعہا لئن الناس کانوا یذہبون فیصلون تحتہا فخاف علیہم الفتنۃ: یعنی حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ وہ درخت اکھاڑ دیا جائے جس کے نیچے آنحضرت صلی اللہ نے بیعت رضوان لی تھی۔ کیونکہ لوگ وہاں جانے لگے تھے اور اس کے نیچے نماز پڑھتے تھے۔ پس انہیں فتنہ کا خوف ہوا اس لئے اسے کٹوا دیا (انتہی) اور صحیح بخاری میں حضرت ابن عمرؓ سے ہے کہ اس درخت کے باقی نہ رکھنے میں یہ مصلحت تھی کہ آگے چل کر مسلمانوں کے لئے فتنے کا موجب نہ ہو جائے۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انتساب کی وجہ سے لوگ اس کی تعظیم واجلال نہ شروع کر دیں۔

اِس روایت سے معلوم ہوا کہ :-

(۱) بیعتِ رضوان والا واقعہ تاریخ اسلام کا ایک نہایت ہی عظیم الشان واقعہ تھا۔ یہ درخت اس واقعہ کی یادگار تھا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اس درخت کا ذکر کیا تھا اور اس طرح قیامت تک کے لئے اس کا تذکار۔

تاہم جب حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ اس انتساب کی وجہ سے اس نے عوام کی نظروں میں خصوصیت حاصل کر لی ہے اور لوگ تبرک کے خیال سے اس کے نیچے آتے اور اس کا قصد کرتے ہیں تو اُسے کٹوا دیا اور تمام مجمع صحابہ نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا اور جیسا کہ اصول میں طے پا چکا ہے اس سے صحابہ کا اس پر اجماع تقریری ثابت ہو گیا کیونکہ صحابہ کا زمانہ، بعد کا زمانۂ فساد نہ تھا جب کہ سلاطین و امراء قوت و استبداد سے اپنی باتیں منوا لیتے تھے، وہ کوئی غلط عمل خاموشی کے ساتھ گوارا نہیں کر سکتے تھے۔

(۲) اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہو گئی کہ اس باب میں شرعاً جو حالت مخدوش ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ایسے مقامات کی زیارت کا لوگ قصد و اہتمام کرنے لگیں۔ قصد و اہتمام سے مقصود یہ ہے کہ مقدس انتساب کی وجہ سے اُسے ایک مقدس مقام یقین کر کے خاص اس کی زیارت کے لئے لوگ جائیں اور سمجھیں کہ اس سے انھیں ثواب اور برکت حاصل ہوگی۔ لیکن اگر اس حد تک معاملہ نہیں پہنچا ہے اور لوگ ایک مقام کو محض ایک یادگار کی حیثیت سے پہچانتے ہیں اور اس پہچان کی وجہ سے ان میں صاحبِ یادگار کی محبت کے جذبات بھی حرکت میں آتے ہیں اور جب کبھی اس پر گزر ہو جائے تو اسے دیکھتے اور اس سے متأثر ہوتے ہیں تو اس حد تک کوئی مضائقہ نہیں۔ شریعت ایسی یادگاروں کی مخالف نہیں ہے۔ چنانچہ آگے چل کر واضح ہوگا کہ یہ درخت اسی حیثیت سے برسوں تک معروف رہا، مگر صحابہ کو کٹوانے پر توجہ نہ ہوئی۔ کیونکہ تعظیم و تبرک کا معاملہ حدِ اعتدال سے متجاوز نہیں ہوا تھا۔ لیکن جوں ہی متجاوز ہوا، فوراً حضرت عمر چونکے اور حکم دیا کہ جڑ سے کٹوا کر زمین اس طرح صاف کر دو کہ آئندہ یہ جگہ لوگوں کو ڈھونڈے سے نہ ملے۔

(۳) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ معاملہ شریعت کی نظروں میں کس درجہ اہم ہے؟ اور ذرائع و وسائل کے انسداد میں صحابۂ کرام کو کہ اسرارِ شرع کے محرمِ راز تھے کس درجہ اہتمام بلیغ تھا! یہ ظاہر ہے کہ اس وقت ان بدع و رسوم کا مسلمانوں کو وہم و گمان بھی نہیں گزرا تھا جو بعد کو غیر قوام کے اختلاط و اتباع سے ان میں پھیلے۔ لوگوں نے اس درخت کے پاس کوئی عمارت یا گنبد نہیں بنایا تھا۔ آنحضرتؐ کے بیٹھنے کی جگہ گھر کر اسے سنگ مرمر سے نہیں پاٹ دیا تھا۔ چاندی کا کوئی کٹہرا نہ تھا۔ زرکار اور منقش چادر وہاں نہیں ڈالی گئی تھی، پھول نہیں چڑھائے جاتے تھے گلاب سے دھو کر اس کا پانی بطور تبرک کے نہیں بٹتا تھا، جھاڑ فانوس اور بخور دانیاں نہ تھیں، لوگ آ کر اسے بوسہ نہیں دیتے تھے، رجعتِ قہقری کر کے واپس نہیں ہوتے تھے ہاتھ باندھ کر نعتیہ وابتہال اور خشوع خضوع کے ساتھ کھڑے نہیں ہوتے تھے، ایک دربارِ شاہی اور معبد کی طرح وہاں سر و سامان درست نہیں کیا تھا۔ پھر ان سب سے بڑھ کر یہ کہ لوگ اپنی تکلیفوں احتیاجوں میں ان کی منتیں نہیں مانا کرتے تھے، چڑھاوے اور نذرانے نہیں چڑھاتے تھے۔ کوئی خاص دن اس کی زیارت کا مقرر کر کے (جسے اصطلاحِ رسولؐ میں عید کرنا کہا گیا ہے) وہاں مثل موسمِ حج کے اجتماع نہیں ہوتا تھا اور لوگ اپنے حوائج کی طلب نہیں کرتے تھے، زیادہ سے زیادہ جو بات ہوتی تھی وہ یہ تھی کہ ایک عظیم واقعہ اور ایک عظیم و مقدس انسان کی یادگار سمجھ کر لوگ بہ نیت تبرک و ثواب اس کا قصد کرتے

اور وہاں جاکر بجائے بدع و رسوم اور خرافات کے نماز پڑھتے جو افضل العبادات و اعمال ہے لیکن چونکہ اس بات میں بھی اس کے زیارت گاہ بن جانے کا ایک دروازہ کھلتا تھا اور ایسے مقامات کا خصوصیت کے ساتھ قصد و اہتمام کرنا ہی ہر طرح کی خرابیوں کی بنیاد تھا اس لیے صحابۂ کرام نے سداً للذریعہ فوراً اس کا انسداد کر دیا۔ پھر خدا را وہ دل جن پر تقلید آباء اور الفت رسوم نے ابھی اس درجہ قبضہ نہیں کیا ہے کہ نور ایمان اور شرع بکلی محجوب ہو جائے۔ انصاف کریں کہ اگر آج صحابۂ کرام وہ تمام باتیں دیکھتے جو یادگاروں اور قبروں پر کی جا رہی ہیں تو ان کا کیا حال ہوتا اور وہ ایک لمحہ کے لیے بھی ان کا بقا گوارا کر سکتے ؟

یہاں یہ نکتہ بھی یاد رہے کہ جو برائی جس درجہ قوی و عام ہوتی ہے اتنی ہی قوت و شدت کے ساتھ اس کا دروازہ بھی بند کرنا پڑتا ہے۔ برائیوں کی اصلاح و انسداد میں شارع کے تمام احکام و اعمال میں یہ اصل عظیم نظر آئے گی۔ چونکہ محبت اور تعظیم کا معاملہ انسانی قلب کے لیے نہایت نازک واقع ہوا ہے اور کوئی قوم راہ توحید و دین الخالص سے نہیں بھٹکی مگر محبت و تعظیم کی بے اعتدالی سے۔ اس لیے اسلام اور شارع اسلام نے اس کے انسداد کے لیے بھی کمال شدت و اہتمام کیا اور ایک چھوٹا سا سوراخ بھی کہیں کھلا نظر آیا تو فوراً اسے بند کیا۔ یہی حال صحابۂ کرام کا تھا۔

(۴) اس معاملے میں اکثر معاملات کی طرح دو چیزوں کا مقابلہ تھا۔ ایک طرف فائدہ تھا، دوسری طرف نقصان تھا۔ فائدہ یہ تھا کہ کسی اہم اور مقدس معاملے کی یادگار کا باقی رہنا مفید ہے، یہ ہمیشہ آنے والی قوموں کو اس کی یاد دلاتا ہے اور ان کے جذبات و عواطف کے لیے عبرت و تذکرہ کا موجب ہوتا ہے۔ یہ درخت تاریخ اسلام کے ایک عظیم الشان واقعہ کی یادگار تھا جس نے فی الحقیقت فتح مکہ کی راہ کھولی جو بانی اسلام کی آخری فتح عظیم اور کاروبار دین کی تکمیل تھی۔ ایسی یادگار کا قائم رہنا اسلامی فتح عظیم کے ایک بنیادی واقعہ کے تذکار کا باقی رکھنا تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی دوسری طرف ایک نقصان تھا۔ یعنی لوگوں نے فرط اعتقاد و تعظیم کے علاوہ خصوصیت کے ساتھ اس کی زیارت شروع کر دی تھی۔ وہاں جانے اور نماز پڑھنے میں غیر معمولی اہتمام کرنے لگے تھے۔ اگر یہ حالت گوارا کر لی جاتی تو ایک بہت بڑے شرعی نقصان یعنی غیر شرعی زیارت گاہ کے بن جانے اور لوگوں کے شرک و بدعت میں مبتلا ہونے کا دروازہ کھل جاتا۔ اب ضروری ہوا کہ فائدہ اور نقصان دونوں کو تولا جائے اور دیکھا جائے۔ باقی رکھنے کا فائدہ زیادہ ہے یا نقصان ؟ ساتھ ہی اس اصل پر بھی غور کیا جائے کہ اگر کسی معاملے میں فائدہ اور نقصان دونوں کا پہلو ہو تو رعایت دفع مضرت کی مقدم ہے یا جلب منفعت کی۔ حضرت عمر اور صحابۂ کرام کو کہ حقائق شرع کے نکتہ شناس تھے، اس کا فیصلہ کرنے میں کچھ دشواری پیش نہ آئی۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ اس درخت کے رکھنے میں فائدہ سے زیادہ نقصان ہے۔ نیز نقصان کا دفع کرنا فائدہ کی تحصیل پر مقدم ہے۔ پس بلا تامل کٹوا دیا۔ ایسے ہی احکام و اعمال سے فقہائے امت نے یہ اصل عظیم مستنبط کی کہ دفع مضرت جلب منفعت پر مقدم ہے۔

(۵) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بزرگوں کی تعظیم و احترام کا ایسے امور و معاملات سے کوئی تعلق نہیں اور معیار اس باب میں وہ ہونا چاہیئے جو خود ان کی تعلیم سے قرار دیا گیا ہو اور شریعت نے اس پر مہرِ تصدیق ثبت کی ہو نہ کہ وہ اوہام و وساوس جو بہ اسم احترام اکابر ہم نے اپنے جی سے گڑھ لیے ہیں۔ غور کرو مسلمانوں کے لئے اس دنیا میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مقدس و مبارک سے بڑھ کر مستحق تعظیم و احترام کون وجود ہو سکتا ہے جس کی تعظیم خدا نے ہر مسلمان پر بحکم وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ فرض کر دی ہے اور جن کی بے احترامی کا ارادہ کرنا بھی ایک مسلمان کے لئے بدترین کفر ہے۔ پھر اس پر بھی غور کرو کہ صحابہ کرام خصوصاً خلفائے راشدین سے بڑھ کر اس وجود اقدس کی تعظیم کرنے والی اور کون سی جماعت وجہ الارض ہو سکتی ہے؟ انہی حضرت عمرؓ کا واقعہ مشہور ہے کہ ان کی آواز خلقی طور پر اونچی تھی، بات کرتے تو معلوم ہوتا پکار رہے ہیں۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ خود آنحضرتؐ کے سامنے چیخ کر بات کر بیٹھے۔ ایک روایت کے بموجب اس رفع صوت میں حضرت ابوبکرؓ بھی شریک تھے اس پر سورۂ حجرات کی یہ آیت اتری لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ الخ۔ راوی کہتے ہیں جس دن یہ آیت اتری اس کے بعد سے حضرت عمرؓ کا یہ حال ہو گیا کہ آنحضرتؐ کے حضور میں بات کرتے تو اس قدر آہستہ اور نرمی سے گویا کوئی راز کی بات کان میں کہہ رہے ہیں۔ صحیح بخاری میں بروایت ابن ابی ملیکہ ہے اذا حدث النبی یحدث حدثہ کاخی السرار ولم یسمعہ حتی یستفہمہ۔ آنحضرتؐ کے وصال فرمانے کے بعد بھی آپ کا یہ حال تھا کہ مسجد نبوی میں جاتے تو قبر مطہر کے قرب کی وجہ سے بسبب کمال تعظیم و ادب منہ سے آواز نہیں نکلتی تھی۔ آدمی کو وہاں پکار کر بات کرتے دیکھتے تو سخت غضبناک ہوتے اور فرماتے ترفعون اصواتکم فی المسجد رسول اللہ

بایں ہمہ انہی حضرت عمرؓ نے جب دیکھا کہ اس تاریخی درخت کی لوگوں نے بالقصد زیارت کرنی شروع کر دی ہے اور بہ نیت تبرک وہاں جا کر نماز پڑھتے ہیں تو انہوں نے اس بات کی ذرا بھی پروا نہ کی کہ یہ درخت اس ذات گرامی کی طرف منسوب ہے اور اس کی ٹہنیوں اور پتوں کے نیچے وہ ایک مرتبہ جلوس فرما چکے ہیں۔ اور اس لئے اس کا اکھاڑ پھینکنا ان کی نسبت بے احترامی ہو گی، بلکہ بلا تامل اکھاڑ ڈالنے کا حکم دے دیا اور تمام صحابہ میں سے کسی نے بھی اس پر اعتراض نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایسا کرنا ادب و احترام کے خلاف نہیں ہے بلکہ ادب و احترام کا عین مقتضا ہے۔ بزرگوں کی سچی تعظیم یہ نہیں ہے کہ ان کی یا ان منسوبات کی پرستش کی جائے یا ایسی باتیں کی جائیں جو پرستش کا ذریعہ بن سکتی ہیں۔ ایسا کرنا تعظیم کی جگہ بے احترامی ہے اور اس کا ازالہ مقتضائے تعظیم و محبت ہے نہ اس کا ابقا۔ خود آنحضرتؐ نے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیل علیہم السلام وغیرہم انبیاء کرام کے مجسمے خانہ کعبہ میں توڑے اور حضرت علی علیہ السلام کے دست مبارک سے تڑوائے۔ یہ ان انبیاء کی تعظیم تھی، بے احترامی نہ تھی۔

پھر جب خود حضرت سرور عالم شہنشاہ کونین کی نسبت حضرت عمر اور صحابہ کے لئے مانع ازالہ نہ ہوئی تو تابالڑ

ان سے بڑھ کر مسلمانوں کے لئے کون ہے اور کس کی نسبت اور یادگاریں ہو سکتی ہیں۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس مقام اور چیز کی نسبت ایسا خطرہ لاحق ہو جائے بہتر یہ ہے کہ اسے اس طرح معدوم کر دیا جائے کہ اس کا نام و نشان باقی نہ رہے اور آگے چل کر اگر گمراہ طبائع اس کا کھوج لگانا چاہیں اور زیارت گاہ بنانا چاہیں تو اس کا کوئی موقع باقی نہ رہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ اگرچہ یہ بھی کر سکتے تھے کہ لوگوں کو روک دیں یا کوئی اور کوئی ایسی بات روک تھام کی مع بقائے شجر کر دیں۔ لیکن آپ نے یہ نہیں کیا بلکہ جڑ سے اکھڑوا کر زمین صاف کر دی تاکہ اس موضع اور درخت کا نام و نشان باقی نہ رہے، صحابہ کرام نے ایسا ہی حضرت دانیال علیہ السلام کی حنوط (ممی) کی ہوئی نعش کی تدفین میں کیا تھا جب کہ وہ تستر سے برآمد ہوئی تھی اور کوئی علامت قبر کی باقی نہیں چھوڑی تھی۔

(۷) اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہوگئی کہ اگر لوگوں نے کسی ایسی یادگار پر عمارت بنا کر اسے ایک مستحکم اور دائمی زیارت گاہ بنا دیا ہو اور قصد و اہتمام کے ساتھ لوگ اس کی زیارت کرتے ہوں تو بدرجۂ اولیٰ اس کا گرا دینا بھی ضروری ہوگا۔ کیونکہ درخت کوئی ایسی چیز نہ تھی جسے لوگوں نے بہ نیت تعظیم و اجلال بنایا ہو۔ ایک خودرو چیز تھی جو بیعتِ رضوان سے نہیں معلوم کتنے برس پہلے سے موجود تھی تاہم اسے اکھڑوا دیا گیا۔

پس جب درخت کے ساتھ ایسا کیا جس کی بنا بہ نیت تعظیم و زیارت نہیں تھی تو اگر لوگوں نے بالقصد کوئی عمارت اسی غرض سے کھڑی کی ہو تو اس کا انہدام تو بدرجۂ اولیٰ ضروری ہوگا کیونکہ وہ خاص اسی غرض سے بنائی گئی ہے اور اپنی تعمیر ہی میں خلاف شرع اور موجب فتنہ ہے۔

عزمِ سفر

شورش کاشمیری

قدِ جاں لے کے چلو، دیدۂ تر لے کے چلو! ہو مبارک تمہیں یہ رختِ سفر لے کے چلو!

م نشینانِ پیمبر کی پذیرائی کو! اپنے کشکول میں اشکوں کے گہر لے کے چلو!

اکِ طیبہ پہ دل و دیدہ لٹانے والو! رومی و جامی و قدسی کی نظر لے کے چلو!

سن کہتا ہے رہ و رسمِ ادب مانع ہے شوق کہتا ہے عقیدت کے ثمر لے کے چلو!

ن نکل آئے گا دامانِ مہ و انجم سے رات کٹ جائے گی فرمانِ سحر لے کے چلو!

نزلِ دوست سے بڑھ کر تو کوئی چیز نہیں دامنوں میں دُرِ مقصود سفر لے کے چلو!

م نوائی کو ملائک کے جنود آئیں گے پیشوائی کے لئے شمس و قمر لے کے چلو!

شورش اس رحمتِ کونین کے دروازے پر
آ ہی پہنچے ہو تو بخشش کی خبر لے کے چلو!

معارف المشکوٰۃ

حدیث کی ایک درجن کتابوں کا خلاصہ مشکوٰۃ شریف ہے اور معارف المشکوٰۃ سلیس اردو میں اس کی عام فہم تشریح و ترجمانی اور اس کی قدیم اردو شرح "مظاہر حق" کی نئی ترتیب ہے، جس میں عہدِ سلف کا مواد، عصرِ حاضر کی زبان استعمال کی گئی ہے اور جس کی ترتیب میں اس عہد کے فکر و نظر کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ یہ بالاقساط ایک ایک جزء کی شکل میں شائع ہو رہی ہے۔ توقع ہے کہ ۳۰ جلدوں میں اس کی تکمیل ہو گی۔

یہ عظیم شاہکار، حافظ القرآن والحدیث مولانا سید عبد اللطیف صاحب ناظم مظاہر العلوم سہارنپور کے خلف الرشید شگفتہ قلم اور وسیع النظر عالم مولانا سید عبد الرؤف عالی مظاہری القاسمی کی محنت کا حاصل ہے

خصوصیات (۱) احادیث مع اعراب (۲) سلیس اردو ترجمہ (۳) سیر حاصل تشریح (۴) ایمان پرور مباحث (۵) معقول طرزِ استدلال (۶) دل نشین لب و لہجہ (۷) عصری تقاضوں کی رعایت (۸) روایات کے حوالے (۹) راویوں کے احوال (۱۰) اک بسیط و نفیس مقدمۂ حدیث۔

اشاعتی پروگرام ہر ماہ ۲۰×۳۰/۸ سائز کے تقریباً سو صفحات پر ایک جزء شائع ہو رہا ہے۔ ہر جزء کی قیمت دو روپے علاوہ محصول۔ جو حضرات اس پروگرام کے مستقل ممبر بننا چاہیں وہ ایک روپیہ فیس ممبری ارسال فرما دیں۔ ان کی خدمت میں ہر جزء سوا روپے میں اور مع محصول دو روپے میں بھیجا جائے گا۔ اگر پانچ ممبر ہر ماہ ہر جزء کے ۵ نسخے ایک ساتھ ایک پتے پر منگوائیں تو انہیں ہر ماہ ۵ نسخوں کی وی پی آٹھ روپے میں پہنچے گی۔

خصوصی رعایت محصول ڈاک کے زائد صرفے سے بچنے اور ممبران کی سہولت کے پیشِ نظر یہ رعایت دی جا رہی ہے کہ جو ممبران ڈیڑھ روپیہ فی جزء کے حساب سے چار جزء کی قیمت چھ روپے اور فیس ممبری کا ایک روپیہ کل سات روپے بذریعہ منی آرڈر روانہ کر دیں، ان کی خدمت میں ہر ماہ ایک جزء بذریعہ بک پوسٹ روانہ کیا جاتا رہے گا۔ اس طرح ہر ممبر کو ہر جزء پر پچاس نئے پیسے کی خصوصی رعایت ہو جائے گی۔ گویا اس صورت میں بغیر کسی مزید خرچ کے ممبران کو ہر جزء ڈیڑھ روپیہ میں پہنچتا رہے گا۔ جب ابتدا کے چار جزء ممبران کے پاس پہنچ جائیں تو اگلے چار جزء کے لئے چھ روپے بھیج دیں۔ اس طرح کم وقت اور کم خرچ میں پوری کتاب ممبران کی خدمت میں پہنچ جائے گی۔ اس بک پوسٹ کی رعایت سے وہی لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں منگائیں۔ کئی نسخے منگانے والے حضرات کو وی پی ہی منگوانے میں فائدہ ہے

یہ مشکوٰۃ شریف کی تازہ ترین اور پسندیدہ شرح ہے جو ہند و پاکستان میں ہر جگہ طلب کی جا رہی ہے۔ دینی اخبارات و رسائل نے اس پر بہترین تبصرے کئے ہیں۔

ناشر:- اشاعت منزل - دیوبند - یو۔پی

نقد و نظر

مقدمہ انوار الباری | مؤلف: مولانا سید احمد رضا صاحب
ناشر: مکتبہ ناشر العلوم ۔ دیوبند ۔

ٹائٹل رنگین، کتابت و طباعت غنیمت ۔ ضخامت ۲۴۱ صفحات ۔ سائز ۲۰×۲۶ قیمت تین روپے آٹھ آنے

صحیح بخاری عجب شان کی کتاب ہے اور اسے سلف نے عجیب و غریب مقبولیت بخشی ہے، ہر عالم اور عامی قرآن کے بعد جب نظر اٹھاتا ہے تو صحیح بخاری ہی پر سب سے پہلے نگاہ پڑتی ہے تقریباً ایک ہزار برس سے دنیائے اسلام میں اس کتاب کو کلام اللہ کے بعد جو فوقیت و مرجعیت حاصل رہی ہے اس کی بنا پر اس کی بھاری بھرکم حیثیت اور اس کے مؤلف کی عظیم شخصیت اسلامی تاریخ پر چھا گئی ۔ لیکن امام بخاری کی اس دینی خدمت، علمی ثقاہت اور شان جلالت کی بدولت ان کی کتاب اور ان کی شخصیت ایک مرعوب کن تاریخی باب بن گئی ہے جس کی سلوٹوں میں بہت سی اہم علمی و دینی خدمات کا طول و عرض اور متعدد جلیل القدر شخصیتوں کا قد و قامت دبا ہوا محسوس ہوتا ہے اور اپنی ذاتی عظمت کی بنا پر اگر ان کی خدمات کا کچھ وزن اور ان شخصیتوں کا وجود نمایاں ہوا بھی ہے تو گذشتہ کئی صدیوں میں علم و قلم کے رکابداروں نے رہوار تاریخ کو اس رخ پر چلنے نہیں دیا ۔ اس روش سے جو مسلسل کئی صدی سے دینی تاریخ کے سلسلہ میں سامنے آتی رہی یہ اندازہ ہوتا ہے کہ سیرت نگاری اور تاریخ نویسی کی غلطیاں بالقصد ہی نہیں ہوتیں بلاقصد و بلا ارادہ بھی ہوتی ہیں اور صرف ناواقفیت ہی کی بنا پر کوئی غلط فیصلہ نہیں ہوتا بلکہ واقفیت کے باوجود یک رخی نگاہ اور یکطرفہ نقطہ نظر بھی اچھے اچھے اہل علم و فضل کے آراء و نظریات کو متاثر اور مسخ کر دیتا ہے اور اس کی تازہ اور زندہ مثالیں ابھی تک ہمارے سامنے آتی رہی ہیں ۔

کچھ اسی طرح کی نسبت امام بخاریؒ اور امام اعظمؒ میں رہی ہے اور اس نسبت کو بہت سے مدعیان علم و فن نے اپنے سرمایۂ دین کا سرمایہ بنا لیا انہوں نے امام بخاریؒ کے ذاتی آراء و نظریات کو بھی صحیح بخاری کی واجب التسلیم حیثیت کے ساتھ خلط ملط کر کے دنیائے علم سے تسلیم کرانے کی کوشش کی ہے اس طرز عمل کا ہدف مقلدین اور بالخصوص فقہ حنفی کے پیرو بنتے رہے ہیں حالانکہ یہ بات صاف اور واضح ہے کہ صحیح

بخاری کا یہ رتبہ جو اجماعی طور پر اسے حاصل ہے بخاری کی ترتیب وتنسیق کی بنیاد پر نہیں ہوا بلکہ مستند ترین احادیث کا مجموعہ ہونے کی بنا پر علمار نے اسے صحیح ترین کتاب حدیث تسلیم کیا ہے، اب یہ بات کہ بخاری کے اندر جتنا کچھ بھی ہے اور جو کچھ بھی اس میں اقوال ذکر کئے گئے ہیں وہ سب کے سب بخاری کی احادیث کی طرح ناقابل انکار اور واجب التسلیم ہیں اہل علم کی مجلس میں کبھی بھی درخور اعتنار نہیں سمجھی گئی. خود امام بخاریؒ نے اپنی اس کتاب کی تالیف میں متعدد دوسرے حضرات سے استفادہ کیا ہے مثلا کتاب التفسیر میں حل لغات کا حصہ امام ابوعبید کا ہے اسی طرح امام بخاریؒ نے مختلف اہل علم کے بارہ میں اپنے جو خیالات ظاہر کئے ہیں اور ان سے جو نتائج اخذ کئے ہیں وہ بہت سے بہت ان کی اجتہادی حیثیت سے متعلق ہیں اور ظاہر ہے کہ کسی صحیح حدیث کا اک حرف نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اور ایک مجتہد کا پورا سرمایۂ اجتہاد خطاؤ صواب کے دونوں پہلو رکھتا ہے.

اس صورت حال کو سامنے رکھتے ہوئے اینک اس موضوع پر اہل قلم نے بہت کچھ لکھا ہے اور اس الجھن کو صاف کرنے کی کوشش کی ہے جس کی وجہ سے امام بخاری کی عظمت وجلالت کے ساتھ ساتھ ہی امام ابوحنیفہؒ شخصیت سمٹی ہوئی نظر آنے لگی ہے اور اسکے نتیجے میں سواد اعظم گروہ احناف کو امت مسلمہ کے کارواں میں بہت ہی کم مایہ محسوس کرانے کی کوشش کی جاتی ہے.

پیش نظر کتاب اسی نقطۂ نگاہ کے تحت بخاری کی ایک عظیم اردو شرح کا طویل مقدمہ ہے. یہ شرح احناف کے بلند پایہ علمار اور سرآمد روزگار فقہا کی درسی تقریروں اور حدیثی شروح اور ان کے مجلسی افادات کی روشنی میں مرتب کی جا رہی ہے جس میں حنفی نقطہ نظر سے حدیث کے ممتاز ترین عالم ومبصرؒ علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے علمی فیوض وبرکات سے ان کے تلمیذ خاص فاضل مرتب نے خصوصی استفادہ کیا ہے اور فقہار حنفیہ کی محدثانہ حیثیت کو بہر طور نمایاں کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی. اخذ وجمع، نقل واقتباس اور تحقیق وتدقیق کی جو سعی وہ اپنے وسائل وذرائع کے پیش نظر کر سکتے تھے بلا شبہ اس میں فاضل مؤلف کی محنت کا اندازہ مطالعہ کے بعد ہی ممکن ہے. فقہ حنفی کا محدثانہ پہلو خود ناقدین احناف کی تحریروں سے مضبوط ومستحکم کرنے میں مؤلف کی کوششیں قابل قدر ہیں اس لحاظ سے فن حدیث کی اردو میں پہلی خدمت ہے.

ایک خاص نقطۂ نظر رکھنے والے مورخین نے احناف کی سرگذشت قلم بند کرنے میں جس بے نیازی کا اور مؤلف کتاب کے الفاظ میں "عصبیت" کا ثبوت دیا ہے مقدمہ کا ایک ایک صفحہ اسکے خلاف صدائے احتجاج ہے. مقدمہ نگار نے مقدور بھر تاریخ کی ان ناانصافیوں پر گرفت کی ہے، ان کا جائزہ لیا ہے، ان کے اسباب گنوائے ہیں اور احناف کی طرف سے اس تاریخی یلغار کی بھرپور مدافعت کا وہ فریضہ انجام دیا ہے جو اردو میں دینی اور علمی مواد جمع کرنے والوں کے ذمہ ابھی تک باقی تھا. یہ مقدمہ کا پہلا حصہ ہے، اس میں فقہ حنفی کی تاریخ، اصول اور ارتقار، حدیث اور فقہ کا ارتباط، فقہ حنفی اور حدیث کا انسلاک

امام اعظم اور ان کے تلامذہ کے سوانح، ان پر اعتراضات اور ان کے جوابات، ان کی علمی دینی اور ملی خدمات ان کی تاریخی عظمت وحیثیت، اساطین امت کی نگاہ میں امام اعظم کا مقام، فن حدیث میں امام صاحب کا تبحر محدثین کبار کی امام صاحب سے نسبت شاگردی، تدوین فقہ کی تاریخ، فقہ اربع کی خصوصیات، ائمہ اربعہ کا تذکرہ۔ فن حدیث کی اہمیت اس کی حجیت اور حیثیت پر ضروری گفتگو ہے پھر محدثین کا اجمالی تذکرہ ہے تیسری صدی ہجری کے وسط تک جو محدثین گذرے ہیں ان سب کے حالات اس پہلی جلد میں آگئے ہیں۔

فاضل مرتب کا ایک بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس میں انہوں نے بڑی تلاش وجستجو اور محنت وجانفشانی کے بعد ان چالیس تاریخی شخصیتوں کے حالات جمع کر دیئے ہیں، فقہ حنفی کی ترتیب میں جنہوں نے امام اعظمؒ کا ہاتھ بٹایا ہے اور جن کی شورائی حیثیت نے فقہ حنفی کو شخصی تقلید میں محصور ہونے کے باوجود ایک جمہوری مزاج بخشا ہے شاید اسی شورائیت وجمہوریت کا نتیجہ ہے کہ آج امت مسلمہ کا نصف سے زائد حصہ حنفی مسلک رکھتا ہے جن چالیس شخصیتوں کے حالات مولانا شبلیؒ جیسی محققانہ ومبصرانہ شخصیت کو دستیاب نہ ہوسکے ان کو اس مقدمہ میں اکھٹا کر کے ایک بڑا علمی تحقیقی اور تاریخی فریضہ انجام دیا گیا ہے۔

مقدمہ کی دوسری جلد میں چودھویں صدی تک کے محدثین کے حالات ہوں گے۔ اس کے بعد اصل کتاب بخاری شریف کی شرح سامنے آئے گی، مؤلف نے اس بات کا اہتمام کیا ہے کہ حلقۂ دیوبند کے بلند پایہ محدثین خاص طور پر علامہ انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہ کی تحقیقات کا خلاصہ اور ان کی مشہور درسی تقریر "فیض الباری" کی روح اردو میں سلیقے کے ساتھ منتقل ہو جائے۔

یہ سلسلہ ۳۵ جلدوں میں مکمل ہو گا۔ خدمت حدیث کا یہ عظیم منصوبہ بڑے محکم عزائم و وسائل کا طالب ہے ہمارے نزدیک حنفی نقطۂ نظر سے اردو میں فن حدیث پر یہ پہلی مبسوط کتاب ہے خاص طور پر مقدمہ کی پہلی جلد حنفی انسائکلو پیڈیا کہی جاسکتی ہے، اور امام صاحب کے بارے میں تو اس کو اردو کا انڈکس کہنا چاہئے۔ مؤلف کے عزائم کی تکمیل جس سر و سامان کی محتاج ہے وہ اہل ذوق اور اہل دین حضرات کی قدر شناسی پر موقوف ہے۔ ہمیں توقع ہے کہ یہ دینی خدمت اہل علم اور اہل خیر اصحاب کو اپنی طرف متوجہ کئے بغیر نہ رہے گی۔

ہم محترم مؤلف کی اس عظیم خدمت کا اعتراف کرنے کے ساتھ کچھ مخلصانہ گذارشات بھی پیش کرنا چاہتے ہیں۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ مؤلف نے جس عزم وآہنگ سے اس خدمت کا منصوبہ تیار کیا ہے اس کا تقاضا تھا کہ یہ مقدمہ اپنی ترتیب وتنسیق، ادب وانشاء، زبان وبیان اور تحقیق وتنقید کے اونچے سے اونچے معیار پر کسا جاتا مگر ترتیب وتنسیق کے لحاظ سے بہت کچھ کہنے کی گنجائش ہے۔ مضامین کی مناسبت کے پیش نظر مقدمہ میں کوئی تدریجی روش نہیں ہے، بحث وگفتگو کے گوشے جن بنیادی نقاط کے گرد گھومتے ہیں ان کو تصنیفی نظم وضبط کے ساتھ متعین نہیں کیا گیا، اصل عنوانات اور ذیلی سرخیاں کچھ اس طرح مخلوط ہیں کہ ان میں باہم تمیز کرنا دشوار ہے، بہت سے پیراگراف ایسے ہیں جو نا تمام رہ گئے ہیں اور غیر متعلق سرخیاں ان کے

بیان سے شروع ہو گئی ہیں، بہت سی ذیلی سرخیاں بے ربط اور بہت سی بالکل بے معنی ہیں، ایک ہی مضمون
چھوٹے چھوٹے حصے غیر ضروری عنوانات کیساتھ غیر مرتب اور منتشر طور پر ذکر کئے گئے ہیں، ذیلی عنوانات
ستعمال اتنی افراط کے ساتھ کیا گیا ہے کہ سرخی کی کوئی معنویت اور اہمیت پڑھنے والے کے ذہن میں نہیں
ی ۔ مضامین اور حوالوں کی عبارتوں میں حیرتناک حد تک تکرار نظر آتا ہے ۔ ادب و انشاء بحیثیت مجموعی
بل نکیر نہیں مگر پھر بھی کہیں کہیں "پُر رونق بھری مجلس" اور "ہمیں افادہ کرنے" جیسے جملے کھٹکتے ہیں،
بجا مدح اور مادحین کے لفظ کا اعادہ ذوقِ تحقیق وتنقید پر گراں گذرتا ہے ۔ زبان و بیان کے اعتبار
بہت جگہ اسلوب ادا میں وہ ثقاہت و سلاست باقی نہیں رہی جو اس تاریخی اور تحقیقی موضوع کا طرۂ امتیاز
پورے مقدمہ کو پڑھ لینے کے بعد قاری کا ذہن ایک عجیب انتشار و اضطراب کا شکار ہو جاتا ہے کہ آیا
ین کا کوئی علمی اور تاریخی موقف مستقل طور پر تھا بھی یا نہیں کہ اسی تالیف میں امام اعظم کے مناقب ہیں اور
ہیں مثالب بھی یا پھر پڑھنے والے کا ذہن اس طرف جاتا ہے کہ اسلامی علوم کی تاریخ عملاً دو گروہوں کی
یخ ہے ۔ محدثین اور فقہا اور بسا اوقات یہ دونوں گروہ متحارب نظر آتے ہیں ۔ حالانکہ خود مقدمہ نگار
یہ مقصد نہیں مگر یہ انداز بیان کا ایک بڑا رخنہ ہے جس سے الٹا نتیجہ مرتب ہو سکتا ہے ۔

تحقیق وتنقید کا پایہ اس مقدمہ میں کیا ہے ؟ اس کے بارے میں ہم کوئی تفصیلی رائے ظاہر کرنے سے
ر ور ہیں مگر اتنی بات واضح ہے کہ پوری کتاب لہجہ بے شمار حوالوں کے باوصف مدح یا منقبت کا لہجہ ہے، ہر
یہ یہ محسوس ہوتا ہے کہ قلم مشتعل ہے ۔ ذہن میں جھنجھلاہٹ ہے اور جذبات یکسر احتجاج ہیں، حالانکہ اک
رخ، سیرۃ نگار اور تاریخ کی غلط شکنوں کو صاف کرنے والے محقق کے لئے اطمینان وسکون، صبر استقلال
خ قلبی، سلامتیٔ فکر، راستیٔ قلم اور صحت نگارش کی جس قدر ضرورت ہے اتنی کسی دوسرے اہل قلم کے لئے
لوب نہیں ۔ اگرچہ تحقیق وتنقید کا بہت بڑا مواد فراہم کر دیا گیا ہے تاہم یہی مواد اگر تنقید وتحقیق کے بلند
یار کے مطابق مرتب کر دیا جاتا تو اس مقدمہ کا علمی پایہ شبلیؒ کی سیرۃ النعمان سے اونچا ہوتا ۔ خدا کرے
لف اس پر نظر ثانی کرتے وقت ان پہلوؤں کو پیش نظر رکھیں ۔

جن کتابوں کا مقدمہ میں ذکر کیا گیا ہے ان میں سے کچھ نام توجہ طلب ہیں : مثلاً ۔
فتح المنان فی مناقب النعمان کی بجائے فتح المنان فی تائید مذہب النعمان درست ہے ۔ مرآۃ الجنان فی
مناقب النعمان کی جگہ مرآۃ الجنان وعبرۃ الیقظان فی خطرات حوادث الزمان ہونا چاہئے ۔ اسی طرح کشف الاسرار
کی بجائے کشف الآثار لعبداللہ بن محمد الحارثی صحیح ہے ۔ ابوجعفر احمد بن عبداللہ سربادی کی کتاب ابانہ فی
والمشنعین علی ابی حنیفہ نہیں ابانہ فی رد من شنع علی ابی حنیفہ ہے ۔ محمد عبدالرحمٰن غزنوی کی تالیف ....
لامع الانوار کا مناقب امام اعظم میں شمار کرنا محتاج تحقیق ہے ۔
ابتداء میں کتاب الآثار کو امام اعظم کی تالیف کہا ہے دوسری جگہ اس کو امام محمد اور امام ابو یوسف کی طرف

منسوب کر دیا گیا ۔ کہیں کہیں اس طرح تضاد بیانی بھی پائی گئی ہے ۔

بالعموم مناقب کی کتابیں ضعیف روایتوں سے پاک نہیں ہوتیں، ان کتب سے نقل و اقتباس کے وقت ایسی روایات کی تنقیح ضروری تھی لیکن مؤلف نے کمزوری اور موقوف کی ایسی روایتوں سے احتراز نہیں کیا کسی شخصیت کی اصل سیرۃ نکھارنے اور اسکے بارے میں الزامات یا مبالغہ آمیز و افواہات کی چھان پھٹک کرنے کے لئے ضروری ہے کہ مواد جتنا کچھ بھی پیش کیا جائے وہ نگاہ تنقید کا تنکا بننے کی بجائے چشم تحقیق کا سرمہ ثابت ہو۔ تاہم فاضل مقدمہ نگار نے جو کچھ بھی لکھا ہے وہ بڑی محنت اور مطالعہ کے بعد لکھا ہے اور اپنے نقطہ نظر کو دیانت داری کے ساتھ ایک ایک سطر میں نمایاں کر دیا ہے ہمارے نزدیک آخری بات اس بات کے سلسلہ میں جو اہم ہے وہ ہم عرض کئے دیں ۔

ہمارا اپنا ذاتی نقطۂ نظر یہ ہے کہ گذشتہ چند صدیوں میں تقلید و عدم تقلید کی آویزش نے ایک علمی فتنے کی حیثیت اختیار کر لی اور بسا اوقات اسی انداز میں اہل قلم نے اس موضوع پر خامہ فرسائی کی ہے، اس میں کبھی ایک فریق کے ضخیم مجلدات بڑھ گئے کبھی دوسرے کی قوت استدلال نے میدان مار لیا ۔ لیکن یہ علم و فضل کے سخن وروں کا دنگل تھا جس میں ایک خاص سطح کے اہل قلم نے کشتیاں لڑی ہیں، اس کے نتائج بالعموم کچھ علمی غلط فہمیوں اور کچھ تاریخی غلط نگاریوں سے آگے نہیں بڑھ سکے ، اس میں شدت بھی ہوئی تو اس حد تک کہ چند واجب الاحترام شخصیتوں کو کچھ لوگوں نے واجب الاتباع نہیں سمجھا اور کچھ عظیم ہستیوں کی تاریخی اور واقعی حیثیت تسلیم نہیں کی گئی ۔ لوگ اس سے آگے بڑھے تو سخت قسم کی کاغذی تو تکار بھی ہوئی مگر اس طرح کہ اس لفظی معرکہ آرائی نے لوگوں کے ایمان کو مجروح نہیں کیا ، لیکن ابھی نصف صدی گذری کہ ان لفظی بحثوں کی آغوش سے ایک ایسے نقطۂ نظر نے جنم لیا ہے جس کی منزل تقلید و عدم تقلید سے کہیں آگے ہے اس نظریے کے علمبرداروں کی صبا رفتاری میں گذشتہ چند صدیوں کے ان کاغذی اختلافات سے منزلوں بڑھ گئے ۔ اب ان شخصیتوں کی اتباع و انقیاد سے بحث نہیں رہی جن سے وابستگی کم از کم ایمان سے وابستگی کے مرادف نہیں ہو سکتی ۔ اب براہ راست معاملہ یہاں آپڑا ہے کہ کلمۂ شہادت میں جس شخصیت کے اتباع و انقیاد کو مدار نجات قرار دیا گیا ہے وہ ہی سرے سے واجب الاتباع نہیں رہ گئی، اب قرآن کے الفاظ ہیں اور امت مسلمہ ہے ۔ اسکے لئے کوئی مفسر و شارح ، کوئی عملی رہنما اور کوئی سرچشمۂ تربیت ہی ضروری نہیں سمجھا گیا ۔

سو برس پہلے جس تجدد نے مغرب نوازی کے طفیل امت مسلمہ کے سینے میں فکر و نظر کا یہ تخم بو یا تھا، آج وہ تخم ایک تناور درخت بن چکا ہے اب اسکے برگ و بار علم و فضل کے افق ہی تک نہیں پہنچے ان کی چھاؤں میں ایمان کے پودے ٹھٹھرے جا رہے ہیں ہم افسوس کے ساتھ اس بات کے اظہار پر مجبور ہیں کہ تقلید کے اثبات و ابطال کی گفتگو جب بھی ہمارے علماء کے مائدۂ علم و فضل پر چھڑتی بالعموم اس طبقے کو اس سے غذا فراہم ہوتی ہے جو تردید سنت اور انکار رسالت کو اصل اسلام سمجھتا ہے جس کی نمائندگی منکرین حدیث

منکرین حدیث کے عنوان سے ہند و پاک میں کی جا رہی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کی شخصیت تاریخ علم میں مظلوم ترین شخصیت ہے اور مستقبل کی تاریخ کا فرض ہے کہ وہ ان کی شخصیت کے ساتھ انصاف کرے مگر آج اس سے بڑھ کر آفت یہ ہے کہ خود قرآن کی آڑ لے کر رقرآن لانے والے رسول خدا کی شخصیت کو تختۂ مشق بنایا جا رہا ہے، اور جس ہستی کی صداقت سے قرآن کی صداقت ثابت ہوئی ہے وہی ناقابل اتباع اور اس کی زندگی ناواجب الاطاعت قرار دی جا رہی ہے۔

ہمیں اپنی کوتاہ نظری یا کم فہمی کے اعتراف میں کوئی باک نہیں لیکن فاضل مؤلف نے مقدمہ میں فقہاء احناف اور محدثین، امام اعظمؒ اور امام بخاریؒ کے سلسلہ میں جو ریمارک دیئے ہیں اور دبدبہ دری کے ساتھ محدثین عظام کی کوتاہیوں پر جو قلم اٹھایا ہے وہ ان کی ہزار احتیاط کے باوجود ذخیرہ حدیث کو مرتب کرنے والے اکابر رجال کی دیانت و امانت کو بدگمانی کے داغ سے محفوظ نہیں رکھ سکتا، ان کے تقویٰ و طہارت اور عظمت و جلالت کا وہ سارا تار و پود کمزور پڑ جاتا ہے جس نے ان کی خدمات میں وزن پیدا کیا ہے، پھر جبکہ اسی مقدمہ کی دوسری جلد میں مؤلف امام بخاری کی سیرت مرتب کرنے والے ہیں۔ مقدمہ کا پہلا حصہ پڑھ کر کوئی بھی شخص امام بخاری کے بارے میں کوئی مستقیم رائے قائم نہیں کر سکتا تو دوسرے حصہ میں ان کی سیرت کے بارے میں اسکے کیا تاثرات ہوں گے؟ اس میں شک نہیں کہ اس طرح کے مباحث پر قلم کی جولانیاں بند نہیں ہو سکتیں، مگر ہمارے نزدیک اس مبحث کے لئے قیل و قال کی کوئی روش ہو سکتی ہے تو وہ ہے جو صاحب ترجمان السنۃ نے اختیار کی ہے، اس حد سے آگے بڑھنا بلا شبہ۔ اک فتنے کی آب یاری کے مرادف ہے۔ کیا ہی اچھا ہو کہ فاضل مرتب آئندہ حصوں کی زبان اور لب و لہجہ میں احتیاط و احترام کی وہ نزاکتیں ملحوظ رکھیں جن کا وقت متقاضی ہے۔ ہمیں امید ہے کہ اگر ان رعایتوں کے ساتھ یہ منصوبہ مکمل ہو گیا تو اردو میں حدیث سے متعلق علماء دیوبند کی نادر تحقیقات کا اک بیش بہا سرمایہ آجائے گا اور دوسری طرف خدمت حدیث کے سلسلہ میں احناف کی طرف سے یہ سعی تا قیامت سعی مشکور تسلیم کی جائے گی۔ (عالی)

الدرسُ العربیُ

(جملہ اسمیہ)

(۱) اَلْوَلَدُ جَالِسٌ۔ لڑکا بیٹھا ہوا ہے

(۲) اَلبِنْتُ وَاقِفَةٌ : لڑکی کھڑی ہوئی ہے

(۳) الشَّارِعُ وَاسِعٌ : سڑک کشادہ ہے۔

(۴) الکِتَابُ مَفْتُوحٌ ۔ کتاب کھلی ہوئی ہے

(۵) الغُبَارُ ثَائِرٌ ۔ گرد اڑ رہی ہے

(۶) المَکَانُ ضَیِّقٌ جگہ تنگ ہے

(۷) الثَّمَرُ نَاضِجٌ ۔ پھل پکا ہوا ہے

(۸) الشَّجَرُ مُوْرِقٌ۔ درخت پتوں دار ہے

(۹) المِفْتَاحُ صَغِیْرٌ۔ چابی چھوٹی ہے

(۱۰) الصَّلٰوةُ وَاجِبَةٌ۔ نماز فرض ہے

(۱۱) البُرْتُقَالُ حَامِضٌ۔ سنترہ کھٹا (ترش) ہے

(۱۲) التُّفَّاحُ حُلْوٌ ۔ سیب میٹھا ہے

(۱۳) العِنَبُ فِجٌّ ۔ انگور کچا ہے

(۱۴) المَوْزُ نَاضِجٌ ۔ کیلا پکا ہوا ہے

(۱۵) الکُمَّثْرٰی مُرٌّ ۔ امرود پھیکا ہے

(۱۶) المُسَافِرُ جَائِعٌ۔ مسافر بھوکا ہے

(۱۷) الصُّلْحُ خَیْرٌ۔ صلح بہتر ہے

(۱۸) اَللّٰهُ غَفُوْرٌ ۔ اللہ بخشش والا ہے۔

(۱۹) المُسْلِمُ اَمِیْنٌ ۔ مسلمان دیانتدار ہے

(۲۰) النَّافِذَةُ مُغْلَقَةٌ۔ کھڑکی بند ہے۔

تشریح :۔ اوپر کی مثالوں میں سے ہر مثال دو اسموں سے مرکب ہے۔ اگر ہر مثال کے صرف پہلے لفظ کو بولا جائے مثلاً الولد یا الکتاب کہا جائے تو سننے والے کو انتظار رہے گا کہ اسکے بعد کچھ اور کہا جائے تاکہ بات پوری ہو سکیں اگر الولد کے فوراً بعد کہا جائے جَالِسٌ تو بات سمجھ میں آجائے گی کہ لڑکے کے بارہ میں بتایا جا رہا ہے کہ وہ بیٹھا ہوا ہے اسی طرح ہر مثال میں پہلے لفظ کو سنکر انتظار ہوتا ہے اور دوسرے لفظ کو سنکر وہ انتظار ختم ہو جاتا ہے تو ہر مثال کے پہلے لفظ کو مبتدا دوسرے لفظ کو خبر اور ان دونوں کے مجموعہ کو جملہ اسمیہ کہا جاتا ہے۔

قواعد

(۱) مبتدا : وہ اسم مرفوع (پیش والا) ہے جو جملہ کے شروع میں ہو۔

(۲) خبر : وہ اسم مرفوع (پیش والا) ہے جو جملہ کا دوسرا جزء ہوتا ہے اور جس کو مبتدا کے ساتھ ملا دینے سے جملہ اسمیہ بن جاتا ہے۔

(۳) جملہ اسمیہ :۔ وہ جملہ ہے جو کم از کم دو اسموں یعنی مبتدا اور خبر سے مل کر بنے۔

فائدہ : (۱) مبتدا ہمیشہ اسم معرفہ اور خبر کبھی معرفہ اور کبھی نکرہ ہوتی ہے۔

(۲) مذکر اور مؤنث اور اسی طرح واحد و جمع ہونے میں خبر مبتدا کے مطابق ہوتی ہے۔

الدرس العربي

— من صحافة اليوم —

سَافَرْنَا بِالطَّائِرَةِ "الداكوتا" من "نيو دهلي" إلى كشمير - وهي مَصِيفٌ جَمِيلٌ في الهند

* وَقِيلَ لَنَا فِي مَطَارِ "دهلي" إِنَّ الرِّحْلَةَ تَسْتَغْرِقُ أَرْبَعَ سَاعَاتٍ -

* أَخَذَتِ الطَّائِرَةُ فِي الْإِرْتِفَاعِ حَتَّى أَصْبَحَتْ عَلَى إِرْتِفَاعِ أَرْبَعَةَ عَشَرَ أَلْفَ قَدَمٍ. وأَظُنُّ أَنَّ هٰذا الْإِرْتِفَاعَ أَقْصَى مدى لِلطَّائِرَةِ "دكوتا"

* وَشَعَرْتُ بِضِيقٍ وسَأَلْتُ — فَقِيلَ لِي أَنَّنَا نَطِيرُ الآن .. فَوْقَ جِبَالِ "هِمَاليا"

* وَرَأَيْتُ الْجِبَالَ أَنَّهَا شَاهِقَةُ الْإِرْتِفَاعِ وَبَعْضٌ من قِمَمِهَا مَكْسُوٌّ بِالثُّلُوجِ.

* وخُيِّلَ إِلَيَّ — لَوْ كَانَتِ النَّافِذَةُ مَفْتُوحَةً أَنِّي أَسْتَطِيعُ أَنْ أَلْمَسَ الْجِبَالَ وما فيها من أَشْجَارٍ تَكَادُ تَبْدُو لِلنَّاظِرِ أَنَّهَا غَابَةٌ "مُعَلَّقَةٌ" بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ.

* ثُمَّ أَخَذَتِ الطَّائِرَةُ فِي الْهُبُوطِ التَّدْرِيجِيِّ.

* وظَهَرَتْ مِنْ تَحْتِنَا عَاصِمَةُ كَشْمِيرْ "سرينكر"

* وفي الْمَطَارِ اِسْتَقْبَلَنَا أَحَدُ الْمَسْؤُولِينَ في إِدَارَةِ الْإِسْتِعْلَامَاتِ وَحَشْدٌ مِنَ الصَّحَفِيِّينَ وَبَعْضٌ من رِجَالِ وِكَالَاتِ الْأَنْبَاءِ.

ہم نے نئی دہلی سے ڈکوٹا ہوائی جہاز کے ذریعہ کشمیر کا سفر کیا جو ہندوستان میں موسم گرما گذارنے کا خوشگوار مقام ہے

دہلی کے ہوائی اڈے پر ہم سے کہا گیا کہ سفر میں چار گھنٹے لگیں گے۔

ہوائی جہاز بلند ہونا شروع ہوا حتیٰ کہ چودہ ہزار فٹ کی بلندی پر ہو گیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ بلندی ڈکوٹا جہاز کی آخری حد ہے۔

مجھے کچھ الجھن محسوس ہوئی اور میں نے پوچھا ... تو بتایا گیا کہ ہم اس وقت ہمالیہ کے پہاڑوں پر پرواز کر رہے ہیں۔

میں نے دیکھا کہ پہاڑ بے حد بلند ہیں اور بعض پہاڑوں کی چوٹیاں برف پوش (برف سے ڈھکی ہوئی) ہیں۔

مجھے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ اگر کھڑکی کھلی ہوتی تو میں پہاڑوں اور ان میں جو درخت ہیں انھیں چھو سکتا۔ یہ درخت دیکھنے والے کو ایسا معلوم ہو رہے تھے کہ گویا آسمان و زمین کے درمیان ایک معلق جنگل ہے۔

پھر ہوائی جہاز بتدریج نیچا ہونے لگا۔

اور نیچے سے کشمیر کا پایۂ تخت سری نگر نمودار ہوا۔

ہوائی اڈے پر محکمۂ اطلاعات کے ایک ذمہ دار (افسر) اخبار نویسوں کے ایک مجمع اور خبر رساں ایجنسیوں کے بعض افراد نے ہمارا استقبال کیا۔

الفاظ مفردہ: الطائرة: ہوائی جہاز۔ مَصِيفٌ: وہ مقام جہاں موسم گرما گذارا جائے (ٹھنڈا مقام) مَطَار: ہوائی اڈا۔ قَدَمٌ: فٹ۔ مدى: حد۔ انتہا۔ مقدار۔ شَاهِقَةُ الارتفاع: بلند ترین۔ خُيِّلَ إِلَيَّ: مجھے خیال ہوا۔ قِمَّةٌ ج: قِمَمٌ: چوٹی۔ غَابَةٌ: جنگل۔ مَكْسُوٌّ بالثَّلْجِ: برف پوش۔ أَخَذَتْ في الهُبُوطِ: اترنے لگا (لگی)۔ عَاصِمَةٌ: پایۂ تخت۔ مَسْؤُول: ذمہ دار۔ إِدَارَةُ الإِسْتِعْلَامَاتِ: دفتر اطلاعات۔ حَشْدٌ: مجمع۔ ہجوم۔ صَحَفِيٌّ: اخبار نویس۔ وِكَالَةُ الأنباء: خبر رساں ایجنسی —

Regd. No. A-1590
Alqasim Monthly Deoband, (U. P.)

ماہنامہ

دیوبند

1(12)

دارالفکر دیوبند (یوپی)

سالانہ پانچ روپے
فی پرچہ ۴۰ پیسے

ماہنامہ القاسم دیوبند

شمارہ (۱۲)
جلد (۱)

مدیر مسئول
وحید الزماں کیرانوی
(فاضل دیوبند)

مرتب
سید عبد الرؤف عالی
(مظاہری القاسمی)

معاون
ابو المحسن بارہ بنکوی
(فاضل دیوبند)

ربیع الثانی سنہ ۱۳۸۱ھ —— مطابق —— ستمبر سنہ ۱۹۶۱ء

ترتیب

مضمون .... صفحہ

نوٹ: رسالہ نہ پہنچنے کی اطلاع زیادہ سے زیادہ ہر ماہ کی ۳۰ تاریخ تک آجانی چاہئے ورنہ دوبارہ پرچہ بھیجنے کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی

پاکستانی حضرات پانچ روپے ذیل کے پتہ پر بھیجکر منی آرڈر کی رسید دفتر ماہنامہ القاسم دیوبند کو ارسال کردیں پرچہ جاری کردیا جائے گا
پتہ: محمد زاہد صاحب۔ زاہد پریس۔ قلعہ روڈ حیدر آباد سندھ

ایڈیٹر پرنٹر پبلشر وحید الزماں قاسمی نے نیشنل پرنٹنگ پریس دیوبند میں چھپوا کر دفتر القاسم دار الفکر دیوبند سے شائع کیا

شمارہ (۱۲)
جلد (۱)

ماہنامہ دیوبند
القاسم

سالانہ پانچ روپے
فی پرچہ ۵۰ پیسے

مدیر مسئول
وحید الزماں کیرانوی
(فاضل دیوبند)

مرتب
سید عبد الرؤف عالی
(مظاہری القاسمی)

معاون
ابو الحسن بارہ بنکوی
(فاضل دیوبند)

ربیع الثانی ۱۳۸۱ھ ——— مطابق ——— ستمبر ۱۹۶۱ء

ترتیب

نوٹ:- رسالہ پہنچنے کی اطلاع زیادہ سے زیادہ ہرماہ کی ۳۰ تاریخ تک آجانی چاہئے ورنہ دوبارہ پرچہ بھیجنے کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی

پاکستانی حضرات پانچ روپے ذیل کے پتہ پر بھیجکر منی آرڈر کی رسید دفتر ماہنامہ القاسم دیوبند کو ارسال کردیں پرچہ جاری کردیا جائے گا
پتہ: محمد زاہد صاحب ـ زاہد پریس ـ قلعہ روڈ حیدر آباد سندھ

اڈیٹر پرنٹر پبلشر وحید الزماں قاسمی نے نیشنل پرنٹنگ پریس دیوبند میں چھپوا کر دفتر القاسم دار الفکر دیوبند سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

دارالعلوم اور فتنہ پرداز عناصر

فساد کا وہ تخم جو چند ماہ قبل دارالعلوم دیوبند کے مُخرَجین طلباء نے اپنی شرپسند ذہنیت کے تحت بویا تھا اب اس کے برگ و بار یوپی اسمبلی کے ایوان تک جا پہنچے۔ اک خاص رجحان رکھنے والے اخبارات نے ان خبروں سے انتہائی دلچسپی لی اور اب مقامی وغیرہ مقامی فتنہ پرداز عناصر نے اس سلسلہ میں باقاعدہ پروپیگنڈہ مہم شروع کر دی جو یقیناً کسی منصوبہ کے تحت ہے اور کوئی وجہ نہیں کہ حکومت کے "پرچہ نویسوں" کے علم میں یہ بات نہ ہو، جبکہ وہ "ناپید چیزوں کو پیدا کر دینے" میں مہارت خصوصی رکھتے ہیں۔

"نا سیکولر ذہن" کی یہ رسائی قابل داد ہے کہ دارالعلوم کے بارے میں سرکاری دماغ کو متاثر کرنے اور اس دینی درسگاہ کے صد سالہ سماجی اور سیاسی وقار کو مجروح بنانے کے لئے شاید اس سے بہتر کوئی وقت نہیں مل سکتا تھا جبکہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کو سرکاری اور غیر سرکاری سطح پر ہدف ملامت بنانے کی ہر ممکن کوشش کی گئی۔ وہ الزامات جو تحقیقاتی کمیٹی ثابت نہیں کر سکی تھی ممبران پارلمنٹ نے انھیں بزور تقریر ثابت کرنا چاہا اور ہمارے ملک کے وزیر تعلیم نے ان الزامات کے لئے فیاضی کے ساتھ زمین ہموار کر دی۔ یہ بات اپنے اور پرائے سب ہی اچھی طرح جانتے ہیں کہ علی گڑھ یونیورسٹی اور دارالعلوم دیوبند ہندوستانی مسلمانوں کی تعلیمی، تہذیبی اور مذہبی زندگی کے لئے مرکز اعصاب ہیں، ان پر جو ضرب پڑے گی وہ درحقیقت مسلمانوں کے ملی وجود اور ان کے اجتماعی تشخص کے لئے اک چیلنج ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ اپنی شخصی زندگی میں ہندوستانی مسلمان بے وزن اور بے وقار ہو گئے ہیں، چند گنے چنے مواقع کے علاوہ بساطِ سیاست پر وہ اپنی بازی ہار چکے ہیں، اقتصادی اور معاشی اعتبار سے کسٹوڈین کے محکمے اور اختتام زمینداری نے ان کے کس بل نکال دیئے ہیں، پیشہ ورانہ اور صنعتی حیثیت سے علی گڑھ، فیروزآباد، مرادآباد اور جبلپور کے فسادات نے انھیں بے دست و پا بنا دیا۔ اب لے دیکر صرف ان کی تعلیمی، تہذیبی اور تمدنی شیرازہ بندی کا اک پہلو ایسا رہ گیا جس تک اُن کے اِن کرم فرماؤں کا دستِ کوتاہ دراز نہ ہو سکا تھا،

اگرچہ ملک کے عام تعلیمی نظام میں ایسی تبدیلیاں برابر کیجارہی ہیں جن کے نتیجے میں ہندوستان میں پرورش پانیوالے اسلامی کلچر کی کوئی چھاپ ماضی و حال کے ہندوستان پر نظر نہ آئے۔ تاہم اب تک مسلمانوں کی تہذیبی اور تمدنی عظمت کے یہ امین دارالعلوم دیوبند ــ اور ــ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے نام سے سیکولر ہندوستان کے نقشہ میں باقی ہیں ـــ اب حوادث کی رفتار اور قومی مزاج کے ارتقاء نے ان کوتاہ دستوں کو دراز دست اور مسلمانوں کے ان تہذیبی قلعوں کی دیوار کو مختصر کردیا ہے ـــ چنانچہ اک خاص منصوبے کی بنیاد پر مسلمانوں کے ملی وجود کی ان بنیادوں کو متزلزل کرنے کی سعی پیہم جاری ہے جو مستقبل میں آنے والی مسلم نسل کے اسلامی عقائد و افکار کی محافظ اور ان کے تہذیبی و تمدنی تشخص کی ضامن ہوسکتی ہیں۔

یہ واقعہ ہے کہ کسی تاریخی قوم کا استیصال کبھی محض قوت اور جبر کے ذریعہ نہیں ہوا، ہاں اس قوم کے افراد میں پرورش پانے والے ذہن، ان کی طبیعت کو ہیجان میں لانے والے جذبات، اور ان کے سینے میں حرکت کرنے والے قلب کے احساس کو مسخ کردینے اور ان کے اصل مزاج کو بدل ڈالنے میں ہمیشہ طاقتور قوموں کو کامیابی ہوئی ہے ـــ اک مخصوص قسم کے ہراس انگیز اور مایوس کن ماحول کو جب کسی بے بس گروہ پر مسلّط کردیا جاتا ہے تو پھر بغیر کسی خوں ریزی کے عجیب غریب انقلاب برپا ہوتا ہے کہ پھر اس گروہ پر غالب آجانے والے افراد بھیڑوں کے گلے کی طرح اسے ہر چراگاہ کی طرف ہانک لیتے ہیں اور ہر باڑے میں انھیں بند کیا جاسکتا ہے چنانچہ ہمارے اس ملک میں سرکاری پیمانے پر سیکولرزم کے دعوے کے باوجود جارحانہ قوم پرستی اور فرقہ پرستانہ تنگ نظری کے بھیانک جراثیم چپے چپے پر موجود ہیں۔ یہ اک خطرناک صورت حال ہے جو آئندہ اس عظیم ملک کی وحدت، سالمیت اور ترقی کو اس طرح برباد کرسکتی ہے کہ پھر ان کا خواب بھی نہ دیکھا جاسکے۔

حالات کے اس تجزیئے کے پیش نظر دارالعلوم دیوبند اور اس سے وابستہ قومی رہنماؤں کا جو کردار رہا ہے کیا وہ کانگرس کے صف اول قائدین کی نگاہ سے اوجھل ہے۔ خاص طور پر ہم صوبہ یوپی کے قومی نیتاؤں سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ کیا ان محب وطن اور سرفروش ساتھیوں کے کردار کی یہی قیمت ہے کہ چند بے کردار و ناہنجار طلبہ کی فرضی شکایتوں پر ارباب دارالعلوم کو ایوان اسمبلی میں پھانسی کی جائے؟ اور اس بے داغ ادارہ کو اس اعتماد و مروت سے محروم کردیا جائے جو ۱۹۴۷ء سے قبل اسے کانگریس کی جانب سے حاصل تھا ـــ ہم یقین کرنا نہیں چاہتے کہ کانگرس بھی قدیم روایتی کہاوت کی بنیاد پر "لینے کے باٹ اور دینے کے باٹ اور" رکھتی ہے۔

ایک اور سوال ـــــــــــــــ یہ پیدا ہوتا ہے

کہ پاکستان سے ہندوستان آنے والے طلبہ کو ویزا کی سہولت محض اسلئے دیجاتی ہے کہ وہ کسی مطلوبہ تعلیم گاہ میں داخل ہوکر اس کا تعلیمی کورس پورا کرنا چاہتے ہیں ـــ جو طالب علم اس شرط کے تحت ہندوستان میں رہنا چاہتا ہے اسے داخل ہونے کی اجازت ملجاتی ہے اسلئے ایسے طلبہ کو اپنی پسندیدہ درسگاہ میں داخلے کی منظوری بھی ہندوستان آنے سے پہلے حاصل کرنی ضروری ہے ـــ چنانچہ جو طالب علم کسی تعلیم گاہ کا مقررہ کورس پورا کرچکا ہو یا

جسے کسی اعتراض یا لغزش کی بنا پر درسگاہ سے (اسٹی کیشن) خارج کر دیا گیا ہو وہ پھر ہندوستان میں قیام کا کوئی استحقاق نہیں رکھتا ___ اس قانونی پوزیشن کے تحت کیا یہ بات حکومت ہند کے لئے قابل توجہ نہیں کہ وہ غیر ملکی طلبہ جو اپنے قیام کا مقصد فوت کر چکے ہوں کن وجوہ کے تحت ہندوستان میں اپنا قیام رکھ سکتے ہیں ؟ خود حکومت پاکستان کے لئے بھی یہ بات غور طلب ہے کہ اُس کے کچھ شہری بھارت میں رہ کر اک بین الاقوامی تعلیمی اور مذہبی ادارہ کے خلاف منصوبہ سازی میں کس طرح شریک ہو سکتے ہیں ___ یہ بات ہندوستان اور پاکستان دونوں حکومتوں کے مفادات کے خلاف ہے ۔ خاص طور پر یہ بات ابھی تک معمۃ بنی ہوئی ہے کہ جن غیر ملکی طلباء کے ناجائز قیام کو چیلنج کر نیکے لئے حکومت کا انٹلی جنس بیورو انتہائی تگ و دو میں مصروف ہے وہ خود کچھ غیر ملکی طلباء کو ناجائز طور پر بھارت میں ٹھیرانے اور انھیں ہر قسم کی سہولتیں دینے کو جائز سمجھتا ہے ، افسوس کہ اس دور نامسعود کی کرشمہ سازیاں ہم پس ماندگان خرد کے لئے ناقابل فہم ہیں ___ "خرد کا نام جنوں رکھ دیا ، جنوں کا خرد"

ایک المیہ

اردو نے ایک ہی عوامی خطیب پیدا کیا تھا جس کی للکار محراب و منبر سے دار و رسن تک گونجی تھی جس کا پیغام خانقاہوں سے لیکر سیاست و مدینت کے اسٹیج تک یکساں توجہ کیساتھ سنا گیا ، جس کی آواز میں جادو ، جس کے لہجہ میں تاثیر ، جس کی قرءۃ میں لحن داؤدی ، جس کی آنکھوں میں دل آویز کشش اور جس کی تقریریں مقناطیس کی سی خاصیت تھی ۔ وہ اپنی خطابت کے جادو سے مخالف و موافق سب کو اپنی بات سننے پر مجبور کر دینے والا خطیب تھا ___ ایسا سحر بیاں مقرر ہندوستان کی کسی دوسری زبان کو آج تک نصیب نہیں ہو سکا ۔ یہ عطاء اللہ شاہ بخاری مرحوم کی عظیم شخصیت تھی جو پچھلے ماہ پاکستان میں حیات دنیوی کے مقررہ لمحات پورے کر کے عالم جاوداں کو رخصت ہوئی

انا للہ وانا الیہ راجعون

اسی کے ساتھ ساتھ اک اور خبر اردو داں حلقوں کے لئے الم ناک ہے اگرچہ غیر متوقع نہیں کہ ڈاکٹر عبدالحق سکریٹری انجمن ترقی اردو کراچی میں وفات پا گئے ، وہ عمر طبعی کو پہنچ چکے تھے انھیں آخر کار یہاں سے جانا ہی تھا مگر اپنے پیچھے وہ اپنی عظیم شخصیت کے جو نقوش چھوڑ گئے ہیں وہ زبانوں کی تاریخ میں جلی عنوان سے لکھے جائیں گے اگرچہ وہ ضابطے میں انجمن ترقی اردو کے ایک بڑے کارپرداز تھے مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنی ذات سے خود ایک انجمن تھے اردو زبانوں کی صف میں جب تک زندہ رہے گی اپنے اس بے نظیر محسن کو کبھی فراموش نہیں کر سکتی ___ جانے والے جا رہے ہیں خدا انھیں اپنی مغفرت سے نوازے ___ آرزو یہ ہے کہ ان کی جگہ آنے والے کم از کم ان کے کلام اور ان کے مقام کو لوگوں کی نگاہ میں عزت و احترام کے ساتھ باقی رکھ سکیں ۔

نفحات القرآن

عالمگیر اخوت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ٥ (سورۃ الحجرات رکوع ۲)

ترجمہ:۔ اے لوگو! ہم نے دنیا میں تمہاری خلقت (پیدائش) کا وسیلہ مرد اور عورت کا اتحاد رکھا اور تمہیں نسلوں اور قبیلوں میں تقسیم کر دیا۔ تاکہ باہم پہچانے جاؤ، ورنہ دراصل یہ تفریق وانتساب کوئی ذریعۂ امتیاز نہیں، امتیاز و شرف تو اسی کے لئے ہے جو اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ متقی ہے۔

درحقیقت اسلام کے نزدیک وطن و مقام اور رنگ و زبان کی تفریق کوئی چیز نہیں۔ رنگ اور زبان کی تفریق کو وہ ایک الٰہی نشان ضرور تسلیم کرتا ہے" وَمِنْ آيَاتِهِ اخْتِلَافُ أَلْسِنَتِكُمْ وَأَلْوَانِكُمْ۔ (تمہارے رنگ و زبان کا اختلاف اس کی نشانیوں میں سے ایک ہے) لیکن اسے وہ انسانی تفریق و تقسیم کی حد نہیں قرار دیتا۔ انسان کے تمام دنیوی رشتے خود انسان ہی کے بنائے ہوئے ہیں۔ اصلی رشتہ صرف ایک ہے جو انسان اور اسکے خالق کے درمیان رابطہ و اتصال پیدا کرتا ہے اور چونکہ اس کا خالق صرف ایک ہے اسلئے ضروری ہے کہ اسکے ماننے والے بھی ایک ہی ہوں اگرچہ سمندروں کے طوفانوں، پہاڑوں کی بلند چوٹیوں اور زمین دور دراز مسافتوں اور جنس و نسل کی تفریقوں نے انھیں باہم ایک دوسرے سے جدا کر دیا ہو۔ إِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ (بیشک تمہاری جماعت ایک ہی امت ہے اور ہم ایک ہی تمہارے پروردگار ہیں) یہی اسلام کی وہ عالمگیر اخوت و دعوت کی روح تھی جس نے زمین کے دور دراز گوشوں کو ایک کر دیا تھا، اسلام ریگستان حجاز میں ظاہر ہوا مگر صحرائے افریقہ میں اس کی پکار بلند ہوئی، اس کی دعوت کی صدا جبل قبیس کی گھاٹیوں سے اٹھی مگر دیوارِ چین سے صدائے اشہد ان لا الٰہ الا اللہ کی بازگشت گونجی۔ تاریخ کی نظر میں جس وقت دجلہ و فرات کے پیروانِ اسلام کے نقش قدم گن رہی تھیں عین اسی وقت گنگا اور جمنا کے کنارے سینکڑوں تھے جو خدائے واحد کے سامنے سربسجود ہونے کے لئے وضو کر رہے۔ یہ تمام دنیا کی مختلف قومیں زمین کے دور دراز گوشوں میں بسنے والی آبادیاں گویا ایک ہی گھر کے عزیز تھے جن کو شیطان رجیم کی تفرقہ اندازی نے ایک دوسرے سے الگ کر دیا تھا، لیکن خدائے رحیم نے ان صدیوں کے بچھڑے ہو دلوں کو ایک داعی صلح کے ذریعہ پھر ایک جگہ جمع کر دیا اور ان کے روٹھے ہوئے دلوں کو اس طرح ایک دوسرے سے قریب دیا کہ تمام پچھلے تمام شکوے اور شکایتیں بھول کر ایک۔

دوسرے کے بھائی اور شریک رنج و راحت ہو گئے۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاۤءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا. (سورۃ ....)

اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جو تم پر نازل کی گئی جبکہ تم اسلام سے پہلے ایک دوسرے کے دشمن تھے مگر اسلام نے تمہارے دلوں میں الفت و محبت پیدا کر دی اور تم ایک دوسرے کے بھائی بھائی ہو گئے

یہ برادری خدا کی قائم کی ہوئی برادری ہے، ہر انسان جس نے کلمۂ لاالہ الا اللہ کا اقرار کیا، وہ اس برادری میں شامل ہو گیا خواہ مصری ہو خواہ نائیجیریا کا وحشی ہو، خواہ قسطنطنیہ کا تعلیم یافتہ ترک لیکن اگر وہ مسلم ہے تو اس ایک خاندانِ توحید کا عضو ہے جس کا گھرانا کسی خاص وطن اور مقام سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ تمام دنیا اس کا وطن اور تمام قومیں اس کی عزیز ہیں، دنیا کے تمام رشتے ٹوٹ سکتے ہیں مگر یہ رشتہ کبھی نہیں ٹوٹ سکتا، ممکن ہے کہ ایک باپ اپنے لڑکے سے روٹھ جائے بعید نہیں کہ ایک ماں اپنی گود سے بچے کو الگ کر دے، ہو سکتا ہے کہ ایک بھائی دوسرے بھائی کا دشمن ہو جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ دنیا کے تمام عہدِ مودت خون اور نسل کے باندھے ہوئے پیمانِ وفا و محبت ٹوٹ جائیں مگر جو رشتہ ایک چین کے مسلمان کو افریقہ کے مسلمان سے ایک عرب کے بدو کو تاتار کے چرواہے سے اور ایک ہندوستان کے نومسلم کو مکہ معظمہ کے صحیح النسب قریشی سے پیوست و یکجان کرتا ہے، دنیا میں کوئی طاقت نہیں ہے جو اسے توڑ سکے اور اس زنجیر کو کاٹ سکے جس میں خدا کے ہاتھوں نے انسانوں کے دلوں کو ہمیشہ کے لئے جکڑ دیا ہے۔

غرضکہ ملت اسلامیہ ایک جسم واحد ہے اور مسلمان خواہ کہیں ہو اس کے اعضا و جوارح ہیں، اگر ہاتھ کی انگلی میں کانٹا چبھے تو جب تک باقی اعضا کٹ کر الگ نہیں ہو گئے ہوں ممکن نہیں کہ اس کے صدمے سے بے خبر رہیں، اسی طرح اگر کسی خطۂ زمین میں ایک مسلم پیروئے توحید کی لاش تڑپ رہی ہے تو ممکن نہیں کہ کروڑوں دلوں میں اس کی تڑپ نہ ہو۔ اور یہ جو کچھ کہا جا رہا ہے اظہارِ مطلب کا زورِ بیان ہی نہیں بلکہ عین ترجمہ ہے اس حدیث مشہور کا جس کو امام احمد و مسلم رحمہما اللہ نے نعمان بن بشیرؓ سے روایت کیا ہے کہ جناب رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا:-

مَثَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ تَوَادِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ، مَثَلُ الْجَسَدِ اِذَا اشْتَكٰى لَهٗ عُضْوٌ تَدَاعٰى لَهٗ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمّٰى۔

مسلمانوں کی مثال باہمی مودت و رحمت اور محبت و ہمدردی میں ایسی ہے جیسے ایک جسم واحد کی، اگر اس کے ایک عضو میں کوئی شکایت پیدا ہوتی ہے تو سارا جسم اس تکلیف میں شریک ہو جاتا ہے

اور اسی کے ہم معنی صحیحین کی وہ حدیث ہے جس کو ابوموسیٰ اشعری نے روایت کیا ہے۔

اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهٗ بَعْضًا ....

ایک مومن دوسرے مومن کے لئے ایسا ہے جیسے کسی دیوار کی اینٹیں کہ ایک اینٹ دوسری اینٹ کو سہارا دیتی ہے ....

الغرض جس قدر سختی ہے باطل اور کفر کیلئے اور جس قدر الفت و محبت ہے حق و صدق اور اسلام و توحید کیلئے ہے۔ فاعتبروا ایہا المسلمون۔

ارشادات نبوی

راہ راست

عن غضیف بن الحارث الثمالی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما احدث قوم بدعۃ الا رفع مثلہا من السنۃ فتمسک بسنۃ خیر من احداث بدعۃ۔ رواہ احمد

ترجمہ:۔ حضرت غضیف بن حارث الثمالیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس قوم نے کوئی بدعت ایجاد کی اللہ نے اسی جیسی کوئی سنت (اس قوم سے) اٹھالی تو کسی سنت کا اختیار کرنا کسی بدعت کے نکالنے سے بہتر ہے۔۔

تشریح:۔ سنت دراصل وہ راہ راست ہے جس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چلکر دکھایا اور بدعت وہ۔۔۔ ان جانے اور بن دیکھے راستے ہیں جن کو آدمی محض اپنے قیاس اور خیال کے تحت اختیار کرتا ہے نہیں کہا جا سکتا کہ بن دیکھے راستوں پر چلنے کا انجام کیا ہو اور جو راہ متعین ہے جس پر قافلۂ انسانیت کے راہنما نے اپنے قدم اٹھائے ہوں اور جس کے پیچھے صحابہ رضوان اللہ علیہم جیسے دانشوروں اور صاحب بصیرت لوگوں کے کارواں نے اپنا سفر کامیابی کے ساتھ طے کیا ہو وہی راہ اس قابل ہے کہ آدمی اس کو اختیار کرے اور اس عظیم راہ نما کے نقش قدم کو دیکھتا چلے اس راہ میں ایک قدم جس یقین، جس اعتماد اور جس توقع پر اٹھایا جا سکتا ہے بے جانے بوجھے راستے میں ایک منزل چلنے پر بھی وہ یقین وہ اعتماد اور وہ امیدیں بر آ نہیں سکتیں۔ پھر سنت کے اختیار کرنے سے قربت رسول و قربت خداوندی میسر آتی ہے۔ سنت کی راہیں روشن اور اس کی ہر منزل روشن سے روشن تر ہے اس لئے ایک سنت کے اختیار کرنے سے دوسری سنت پر عمل کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور بدعت سراسر تاریکی ہے آدمی جس قدر اس کی طرف بڑھے گا وہ اندھیرے ہی میں رہے گا، ترک سنت سے آدمی آگے بڑھنے کے بجائے پیچھے ہٹتا ہے اور اختیار سنت سے اس کو ترقی درجات اور توفیق مزید میسر آتی ہے، ترک سنت کی بدولت وہ نہ صرف یہ کہ اس سے محروم ہو جاتا ہے بلکہ اس کے قلب میں تاریکی اور ظلمت پیدا ہوتی ہے جس کو اصطلاح میں رین کہتے ہیں[1]۔ پھر ترک سنت اگر سستی و کاہلی کی بنا پر ہو تو وہ آخرت میں موجب عتاب و ملامت ہے اور اگر غیر ضروری سمجھ کر نظر انداز کرے تو گناہ اور باعث عذاب ہے اور منکر سنت بالعموم بدعتی ہوتا ہے کیونکہ اس کے دل میں بدعت کی ظلمت ہوتی ہے اور سنت کا نور اسکے دل میں جاگزیں نہیں ہو سکتا۔ اس کے مقابلہ میں بدعت کو دیکھئے خواہ وہ مشہور تقسیم کی بدولت بدعت حسنہ ہی کہلاتی ہو کہ اس کے ترک پر نہ خدا کے یہاں کوئی ملامت ہے نہ کوئی عذاب ہے نہ اس کا انکار مذموم ہے، اور اس تقسیم کے پیش نظر علماء نے یہ لکھا ہے کہ مدرسہ اور سرائے بنانے کے مقابلہ میں آدمی اگر استنجا اور بیت الخلاء کے لئے سنت کے آداب برتنے

---

[1] شیخ عبدالحق، سید جمال الدین اور ملا علی قاری نے اس حدیث کی اسی طرح وضاحت کی ہے۔ [بقیہ صفحہ ۱۲ پر]

مظلوم صحابہ
(۶)

حبشہ کی دوسری ہجرت

(جناب محمد عبداللہ القاسمی)

قریش مکہ پر نہ معلوم کس قسم کا بھوت سوار تھا کہ مسلمانوں پر ظلم کرنے سے باز نہ آتے تھے۔ حبشہ سے واپس آئے ہوئے مسلمانوں اور دیگر نومسلموں پر اب ان کے ظلم و تشدد میں اور بھی اضافہ ہوگیا لیکن وہ اس بات سے پریشان تھے کہ ہم ہر طرح سے تنگی اور سختی کر رہے ہیں مگر لوگ ہیں کہ برابر کفر چھوڑ کر دینِ اسلام اختیار کرتے جا رہے ہیں۔ اس صورتِ حال سے ان کی آتشِ انتقام پہلے سے زیادہ بھڑک اٹھی اور حلقہ بگوشانِ اسلام کو یہ اسلام سے برگشتہ کرنے کے لئے ظلم و تشدد کے تمام ممکن طریقے اختیار کرنے لگے جس کے نتیجہ میں مسلمانوں کے لئے دوسری بار حبشہ کی جانب ہجرت کرنا ناگزیر ہوگیا، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت کے بعد قافلۂ اسلام حبشہ کی جانب روانہ ہوگیا، اس دفعہ ہجرت کرنے والوں میں ۸۵ مرد اور ۱۷ عورتیں تھیں

قریش مکہ کی نئی چال

مسلمانوں پر دنیا کر دینے کے بعد بھی کافروں کا کلیجہ ٹھنڈا نہ ہوا، جب انھیں معلوم ہوا کہ مسلمان حبشہ میں اطمینان کا سانس لیکر اسلامی احکام کی بجا آوری میں مصروف ہیں تو انھیں بڑا فکر ہوا اور دیکھا کہ معاملہ ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے اسلئے انھوں نے باہم مشورہ کے بعد عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ کی سرکردگی میں شاہ حبشہ کی خدمت میں ایک وفد روانہ کیا، اور بہت سے تحائف اور ہدایا بھی ساتھ کئے گئے تاکہ ان کے ذریعہ شاہ حبشہ اور اس کے مقربین کو اپنا ہم نوا بنایا جائے اور نتیجہ کے طور پر مسلمان حبشہ سے نکالدیئے جائیں ۔ اس وفد نے حبشہ پہنچکر شاہ کے مقربین سے کہا کہ ہمارے یہاں کے کچھ بیوقوفوں نے اپنا قدیم مذہب چھوڑ کر ایک نیا دین اختیار کیلہے جو آپ کے دین کے بھی بالکل مخالف ہے، ہم نے انھیں نکالدیا تو یہ بھاگ کر اس ملک میں چلے آئے، ہم چاہتے ہیں کہ ان لوگوں کو بغیر کسی مکالمہ و گفتگو کے ہمارے حوالکر دیا جائے، اس سلسلہ میں آپ جیسے بااثر مصاحبین کی سفارش کی ضرورت ہے، آدمی بسا اوقات مال و زر دیکھکر پھسل جاتاہے بادشاہ کے مقربین بھی رشوت لیکر وفد کے طرفدار ہوگئے، چنانچہ جب یہ معاملہ شاہ حبشہ کے دربار میں پیش ہوا تو رشوت خور مقربین نے وفدِ کفار کی پوری تائید و حمایت کی مگر نجاشی بادشاہ نیک دل اور انصاف پسند تھا اُس نے وفد کی طرف سے پیش کئے گئے تمام تحائف نظرانداز کرتے ہوئے صاف کہدیا کہ اس معاملہ کی تحقیق و تفتیش کے بعد ہی کوئی فیصلہ کیا جائے گا۔ چنانچہ دربار شاہی میں مسلمانوں کو طلب کیا گیا۔

صحابۂ کرام کو قدرے تردد و فکر ہوا کہ نجاشی عیسائی ہے اور اُس کے بہت سے عقائد ہمارے اسلامی عقائد سے مختلف ہیں بہت ممکن ہے اسلامی عقائد اور دیگر احکام کو سنکر وہ برہم ہو جائے مگر مشورہ کے بعد یہ بات طے پائی کہ ہم بادشاہ کے سامنے وہی کہیں گے جو ہمارے نبی نے تعلیم دی ہے خواہ کسی کو بھلی لگے یا بُری۔

یہ صرف ایمان کی قوت تھی کہ کفار کی ایذا رسانی سے تنگ آکر اپنا وطنِ عزیز چھوڑ کر پردیس میں پناہ گزین ہیں اور ایک حد تک اطمینان کا سانس لے رہے ہیں لیکن حق اور سچی بات کے سامنے اس کی بھی پرواہ نہیں کرتے کہ بادشاہ ناراض ہو کر پناہ دینے سے انکار کر دیگا یا وفدِ قریش کے حوالے کر دیگا، دربارِ شاہی میں پہنچے تو اس شان سے کہ نہ بادشاہ کو سجدہ کیا اور نہ آدابِ شاہی بجا لائے، صرف اپنے اسلامی طریقے کے مطابق سلام پر اکتفا کیا، مسلمانوں کا یہ طرزِ عمل درباریوں پر گراں گذرا، بادشاہ کو بھی تعجب ہوا۔ ان درباریوں نے (اور دوسری روایت کے مطابق خود بادشاہ نے بھی) سجدہ نہ کرنے کا سبب پوچھا حضرت جعفر رضؓ مسلمانوں کے نمائندے تھے، بے جھجک اور بلا خوف و خطر آگے بڑھے اور جواب دیا کہ پیغمبرِ اسلام کا حکم ہے کہ خدا کے سوا کسی کو سجدہ جائز نہیں۔ نجاشی نے پوچھا کہ اچھا بتاؤ وہ کونسا دین ہے جس کو تم نے عیسائیت اور بت پرستی پر ترجیح دی ہے۔ حضرت جعفر رضؓ نے پیغمبرِ اسلام اور اسلام کی خوبیاں اور اپنی سرگذشت بیان کرتے ہوئے کفارِ مکہ کی دست درازیوں، ظلم و تشدد اور مسلمانوں کے مکہ چھوڑنے کے اسباب پر روشنی ڈالی۔ نجاشی تمام واقعات سنکر اسی نتیجہ پر پہنچا کہ واقعی قریشِ مکہ ظالم اور مسلمان مظلوم ہیں لہذا اس نے فیصلہ سنا دیا کہ مسلمان وفدِ قریش کے حوالے نہیں کئے جا سکتے۔

ایک اور چال

وفدِ قریش اپنے مقصد میں ناکام ہو کر پیچ و تاب کھانے لگا اور بالآخر عمرو بن العاص نے مسلمانوں کو بادشاہ کی نظر میں ذلیل کرنے کے لئے ایک اسکیم بنائی وہ یہ کہ بادشاہ نصرانی ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں کسی قسم کی گستاخی اور بے ادبی برداشت نہیں کر سکتا، اگر یوں شکایت کر دی جائے کہ مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں بہت سخت بات کہتے ہیں تو بہت ممکن ہے کہ مسلمانوں کو فوراً شہر بدر کر دیا جائے یا کوئی اور سزا دیدی جائے۔ بظاہر یہ بات بڑی حد تک کارگر ہو سکتی تھی چنانچہ عمرو بن العاص نے اس کا اظہار اپنے ساتھی عبداللہ بن ربیعہ سے کیا۔ اُس نے مصلحتاً جھوٹی شکایت کرنے سے منع بھی کیا مگر عمرو بن العاص نے بادشاہ کے دربار میں یہ شکایت پہنچا دی۔ بادشاہ نے پھر مسلمانوں کو طلب کیا، صحابۂ کرام کو فکر ہوئی کہ کیا جواب دیا جائے لیکن فوراً ہی اپنے پر قابو پا کر یہ طے کر لیا کہ خدا کی قسم ہم وہی ظاہر کریں گے جو خدا اور اسکے رسول نے کہا ہے اسکے خلاف نہیں کہیں گے خواہ کچھ ہو جائے۔

چنانچہ جب بادشاہ نے پوچھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ہم وہی کہتے ہیں جو ہمارے پیغمبر علیہ السلام نے ہم سے فرمایا ہے یعنی یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے رسول تھے اور خدا کی خاص روح اور خدا کا خاص کلمہ تھے۔ جواب معقول تھا، بادشاہ نے زمین سے ایک تنکا اٹھا کر کہا خدا کی قسم مسلمانوں نے جو کچھ بیان کیا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس سے

ایک تنکے کی مقدار بھی زائد نہیں ۔

خلاف توقع بادشاہ کی اس تائید پر اگرچہ درباریوں نے ناگواری کا مظاہرہ کیا مگر نجاشی نے کوئی پرواہ نہیں کی اور حکم دیا کہ قریش کے تحائف واپس کر دیئے جائیں اور مسلمان شاداں و فرحاں میرے ملک میں رہیں ۔

بائیکاٹ آپ ابھی پڑھ چکے ہیں کہ قریش کا وفد اپنے مقاصد میں ناکام رہا ، اس ناکامی کی اطلاع قریش کو ہوئی تو بڑے تلملائے اور اس بات پر کڑھے کہ نجاشی بادشاہ نے مسلمانوں کے ساتھ اچھا معاملہ کیا اور ہمیں نظر انداز کر دیا ـــــ خدا کی شان کہ اس عرصہ میں عمرؓ جیسے جری اور بہادر شخص نے جو پیغمبر اسلام کو قتل کرنے کا تہیہ کر کے گھر سے چلے تھے وہ حضورؐ پر نور کی قیامگاہ (دار ارقم) پہنچے اور اپنا سر تسلیم خم کر دیا ، حضرت حمزہؓ پہلے ہی مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام سے کفار پر بڑا اثر ہوا یوں کہنا چاہیئے کہ ایک حد تک ظالموں کا زور ٹوٹا لیکن جوش غضب اور جذبۂ انتقام انسان کو کب چین لینے دیتا ہے ، اب کفار نے عام طور پر ستانا شروع کیا اور یہ تجویز پاس کی گئی کہ جب تک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہمارے حوالہ نہیں کر دیا جائیگا اس وقت تک خاندان (بنوہاشم) کا بائیکاٹ کیا جائے گا ، نہ کوئی ان سے نکاح کرے اور نہ کسی قسم کا میل جول رکھے ان کے ساتھ لین دین ، خرید و فروخت اور دوسرے معاملات ترک کر دیئے جائیں چنانچہ ایک عہد نامہ لکھ کر کعبہ کے دروازے پر لٹکا دیا گیا اور تمام قبائل قریش نے متفقہ طور پر بنو ہاشم کا مکمل مقاطعہ کر دیا ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس صورت حال سے مجبور ہو کر اپنے چچا ابو طالب اور سارے کنبہ کے ساتھ ایک گھاٹی میں پناہ گزیں ہو گئے اس گھاٹی کا نام شعب ابی طالب ہے ، یہاں نہ کھانے کی کوئی چیز میسر تھی اور نہ پینے کی کیکر وغیرہ کے پتے کھا کر زندگی کے دن گزارے جا رہے تھے ، معصوم و مظلوم بچے بھوک سے روتے بلبلاتے تو شہر تک آواز جاتی لیکن سنگدل کافر ٹس سے مس نہ ہونے بلکہ خوش ہوتے تھے ۔ حضرت سعد بن ابی وقاص اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں فاقہ زدہ تھا ایک رات میرا پیر کسی تر چیز پر پڑا بھوک کا یہ عالم تھا کہ نہ اس کو دیکھا اور نہ سوچا فوراً نگل گیا اب تک میں جان نہ سکا کہ وہ کیا چیز تھی اسی طرح ایک دفعہ رات کو سوکھا ہوا چمڑا ہاتھ لگا میں نے اس کو پانی سے دھو کر آگ پر بھونا اور پانی میں ملا کر کھا لیا ۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے شریک مصائب تھے اور جتنے بھی مسلمان شعب ابی طالب میں محصور تھے دین پر مضبوطی سے قائم رہے ، یہ مصائب اور بھوک و پیاس کی شدت ان کے قدموں کو ڈگمگا نہ سکی ۔ بالآخر تین سال کے بعد خدا خدا کر کے اس ظلم و ستم کا خاتمہ ہوا یعنی کفار نے بائیکاٹ ختم کر دیا ۔

معیارِ نبوّت

— از حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

انبیاء علیہم السلام خدا کے معتمد، اس کے وکیل اور اس کے رازدار و نائب ہوتے ہیں تو ان کی ذات میں ایسے پاکیزہ اوصاف اور حقیقی خوبیاں جمع ہونی چاہئیں جو اک باخبر شہنشاہ اعظم (خدا) کا قرب حاصل کرنے کیلئے درکار ہیں، اس لئے انبیاء علیہم السلام کے دلوں میں سب سے پہلے تو خدا سے محبت اور اخلاص اس درجہ ہو کہ ارادۂ معصیت کی گنجائش ہی نہ رہے، دوسرے یہ کہ اخلاقِ پسندیدہ جو اعمالِ حسنہ کی جڑ ہیں ان کے اندر فطری طور پر راسخ ہوں، تاکہ ان کا ہر کام قابلِ اقتدا اور ہر فعل باعثِ ہدایت سمجھا جائے۔ تیسرے یہ کہ فہم و فراست میں وہ تمام امتیوں سے ممتاز ہوں — یہی تین اصول ہیں جو ایک مدعیِ نبوت کی صداقت کا ہم کو ایک ایسے زمانہ میں پتہ دے سکتے ہیں جس میں کسی نبی کی بعثت کا احتمال ہو سکتا ہو۔ رہے معجزات تو وہ اگرچہ اصلِ نبوت کے اعتبار سے ضروری نہیں لیکن مدعیِ نبوت سے ان کا صادر ہونا بیشک اس کی راست بازی کی دلیل ہے کیونکہ اگر ایک شخص مثلاً سلطان روم کے سامنے لوگوں سے یہ کہے کہ میں سلطان کا معتمد اور محبوب ہوں اور اس کی دلیل یہ بیان کرے کہ دیکھو جس طرح میں ان سے . . . کہوں گا وہ اسی کے موافق کریں گے اور جو فرمائش کروں گا اسے پورا کر کے دکھلائیں گے، یہ کہکر سلطان کو کھڑا ہونے کی طرف اشارہ کرے اور کھڑے ہو جائیں پھر ان سے بیٹھنے کو کہے اور وہ فوراً بیٹھ جائیں پھر اسی طرح لگاتار بہت سے کاموں کی خواہش کرتا رہے اور وہ اس کی فرمائش کو پورا کرتے رہیں اور فرض کرو کہ وہ سب کام سلطان کی عادت مستمرہ کے خلاف ہوں تو کوئی کیا کسی جاہل اور ناداں کو ایسی حالت میں اس شخص کے دعوے کی تصدیق میں کچھ تردد رہے گا اور کیا کوئی بیوقوف بھی یہ حجت کریگا کہ دعویٰ تو اس کا محبوب اور معتمد ہونیکا تھا اور اس کے معتمد ہونے اور سلطان کے کھڑے ہونے کوئی مناسبت نہیں اس لئے اس سے اس پر کوئی استدلال نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ سلطان اپنی زبان سے اس کے معتمد ہونے کا اقرار نہ کرے۔ ایسے ہی احمق سے کہنا چاہئے کہ تصدیق دعویٰ دو طرح پر ہوتی ہے ایک حالی اور ایک مقالی تو گو اس جگہ زبانی اور قولی تصدیق سلطان کی جانب سے نہیں پائی گئی مگر حالی تصدیق جو اس سے کہیں بڑھ کر ہے حاصل ہو گئی۔ یہی حال بعینہ انبیاء علیہم السلام کے معجزات کا ہوتا ہے کہ وہ اپنی نسبت خدا کا نائب اور معتمد ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور خدا ہر وقت اور ہر جگہ ان کے دعوے کو

سنا ہے پھر وہ عادت اللہ کے خلاف بہت سے کاموں کی فرمائش کرتے ہیں تاکہ ان کے دعوے کی سچائی دنیا پر ظاہر ہو جائے اور خدائے تعالیٰ برابر ان کے حسب مدعا فرمائشوں کو پورا فرماتا رہتا ہے تو کیا من جانب اللہ یہ انکے دعوے کی حالی تصدیق نہیں ہوئی اور ظاہر ہے کہ جھوٹے آدمی کی تصدیق کرنا خود جھوٹ کی ایک قسم ہے تو اس سے (اس مدعی کے کاذب ہونے کی صورت میں) خدائے برتر کا کذب ثابت ہوا (نعوذ باللہ منہ) حالانکہ خدائے تعالیٰ کا خالق کذب ہونا تو ضروری لیکن قولاً و عملاً کاذب ہونا محال ہے۔

اب اگر کسی کو یہ وہم گذرے کہ یہ سب تقریر اس وقت قابل تسلیم ہے جبکہ معجزہ یا خوارق عادات کا وجود ممکن ہو حالانکہ ابھی اس کا امکان محل تردد میں ہے تو میں کہتا ہوں کہ ہم معجزہ اسی کو کہتے ہیں کہ جو عقلاً محال نہ ہو لیکن خلاف عادت ہو اور خلافِ عادت کے بھی یہ معنی ہیں کہ عام عادت کے خلاف ہو کیونکہ معجزہ بھی ہمارے نزدیک خدا کی خاص عادت ہے جو خاص خاص اوقات میں خاص خاص مصلحتوں سے ظاہر ہوتی ہے اور جیسا کہ زید مثلاً ہمیشہ سے قمیص پہننے کا عادی ہو مگر عید کے روز ہمیشہ اچکن پہنا کرے تو گو اچکن پہننے کو یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ زید کی عام عادت کے خلاف ہے مگر ایک حیثیت سے یہ بھی اس کی عادت میں داخل ہے اسی طرح آگ سے کسی چیز کا جلا دینا اگرچہ خداوند تعالیٰ کی عام عادت ہے لیکن بعض مواقع میں جبکہ کسی نبی کی تصدیق یا اور کوئی مصلحت ملحوظ ہو تو آگ سے صفت احراق سلب کر لینا بھی اس کی عادت ہے کیونکہ ثابت ہو چکا کہ تمام اسباب و مسببات میں جو کچھ تاثیر ہے وہ خدا کے ارادہ سے ہے وہ جب چاہے سبب کے وجود کو مسبب سے اور مسبب کے وجود کو سبب سے علیحدہ کر سکتا ہے تو جب مشاہدہ سے یا نہایت ثقہ راویوں کے ذریعہ سے یہ معلوم ہو جائے کہ ایک شخص نے دعوائے نبوت کیا اور بہت سے معجزات دکھائے اور تمام عمر میں کسی ایک بات میں بھی اس کے کہنے کے خلاف نہ ہوا تو بے شک و شبہ ایسے شخص کو نبی سمجھنا چاہئے کیونکہ نبی کاذب کی تصدیق خدائے تعالیٰ قولاً یا عملاً ہرگز نہیں کر سکتا اور وہ اگر ایسا کرے تو دین ٭ بہمہ رحمت نہ ہوگا۔

ہمارے زمانہ کے بعض عقلاء کو معجزات کے ممکن الوقوع ہونے سے انکار ہے اور طرفہ تماشا یہ کہ وقوع کی صورت میں وہ ان کے نزدیک وہ دلیل نبوت بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ ان کو اب تک یہ معلوم نہیں ہوا کہ موسیٰ کے نبی ہونے اور لاٹھی کے سانپ بنجانے میں کیا تعلق پایا جاتا ہے جو ایک سے دوسرے پر استدلال ہو سکے۔

[فاعتبروا یا اولی الابصار]

[بقیہ صفحہ] کا اہتمام کرے تو زیادہ بہتر ہے کیونکہ مدرسہ اور سرائے کی تعمیر بدعت حسنہ کی تعریف میں آتی ہے اور سنت خواہ کتنی ہی چھوٹی سے چھوٹی ہو اس کا اختیار کرنا کسی بدعت حسنہ پر عمل کرنے سے بہتر ہے، لیکن محققین کے نزدیک کوئی بدعت بدعت حسنہ نہیں ہوتی اسلئے مدرسہ، کنواں یا سرائے کی تعمیر بدعت کی تعریف میں نہیں آتی بلکہ ان رفاہی کاموں میں شمار ہوتی ہے جن کا کرنا بجائے خود ثواب ہے اور منصوص احکام میں داخل ہے۔

اسلام اور اجتماعی زندگی

(ایک غیر مسلم فاضل کے تاثرات)

ذیل میں لندن کے ایک ہندو سالسٹر مسٹر آر اے نہرا کے فاضلانہ مقالہ کا
ملخص ترجمہ پیش کیا جاتا ہے موصوف نے یہ مقالہ اسلامک سوسائٹی لندن کے جلسہ میں پڑھا تھا

تین اسباب ہیں جن کی بنا پر ایک ہندو اس مبحث پر تقریر کر رہا ہے۔ سب سے پہلا سبب یہ ہے کہ میں اگرچہ ہندو پیدا ہوا لیکن بچپن سے ہمیشہ مسلمان ہمسایوں اور دوستوں میں رہا، کیونکہ آپ جانتے ہیں کہ ہندو مسلمان الگ الگ نہیں رہتے، دوسرا سبب یہ ہے کہ ہندو مذہب اپنے پیروؤں کو یہ نہیں سکھاتا کہ وہ دوسری مذاہب کو برا کہیں یا نظر حقارت سے دیکھیں۔ رواداری اور غیر ضرر رسانی ہندو دھرم کے اساسی اصول ہیں، تیسرا سبب یہ ہے کہ میں نے مذہب اسلام کا مطالعہ کیا ہے اور پندرہ سال سے اسلامی قانون کی پریکٹس کر رہا ہوں۔ میں اپنے موضوع کو ذیل کے تین عنوانات میں تقسیم کروں گا۔

(۱) کاروباری اخلاق (۲) عام اخلاق (۳) صنفی اخلاق۔

میں ہر عنوان میں اختصار برتوں گا کیونکہ ساتھ ہی ساتھ مجھے اپنے بیانات کی توضیحی مثالیں بھی دینی ہیں جو مجھے اپنے چند سال کے پیشہ کے تجربات میں ملی ہیں۔

میں یہ بات صاف صاف کہنا چاہتا ہوں کہ میرا موضوع تقریر اخلاق کا وہ اصلی معیار ہے جس کی ... حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عظیم المرتبت ہستی نے بنا ڈالی اور تبلیغ کی اور جس پر انہوں نے اور ان کے سچے پیروؤں نے عمل فرمایا، یہ معیار اتنا اعلیٰ ہے کہ عہد حاضر کا ہر وہ مرد یا عورت جو مادیت کے سیلاب میں غرق ہے اس کے مطابق زندگی بسر کرنے میں دقت محسوس کریگا۔

سب سے پہلے کاروباری اخلاق کو لیجئے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ روئے زمین پر اسلام ہی وہ اکیلا مذہب ہے جو سود کو حرام قرار دیتا ہے، اگر آپ اس مفید ترین و اعلیٰ اصول کی تحلیل کریں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ موجودہ اقتصادی نظام جس کا دارومدار سود پر ہے سراسر غلط ہے، روپیہ ایک جاندار چیز نہیں وہ دوگنا چوگنا نہیں ہوتا، ایک پونڈ خواہ وہ چاندی کا ہو یا سونے کا چھ ہزار برس، اور جس زمانہ میں بھی ہو گا کسی طرح بھی وہ دو پونڈ میں مبدل نہیں ہو سکتا وہ ایک ہی پونڈ رہے گا خواہ وہ کسی بادشاہ کے ہاتھ میں ہو یا کاشتکار کے ہاتھ میں ہو، فوجی جنرل کے ہاتھ میں ہو، ڈاکٹر

کے ہاتھ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شارع اسلام نے اپنے متبعین کو سود کے لینے اور دینے سے منع فرمایا۔ حرص کی ایجاد کردہ چیزوں میں سود بنی نوع انسان پر بے رحمی کی بدترین شکل ہے جس کا ارتکاب مادیت سے مغلوب اور روحانیت سے بے بصر مخلوق احمقانہ پندار کے ساتھ کرتی رہتی ہے، سود کے لین دین کے نتائج بہت دور رس اور سوسائٹی کے سکون و دماغی کو بری طرح تہ و بالا کرنے والے ہوتے ہیں۔ عہد حاضر کے قوانین کی رو سے ۴۸ فیصدی تک سود لینا روا ہے، شاید آپ حضرات میں سے بعض اس بات سے واقف ہوں کہ انگلستان میں ایک سود خوار ۴۸ فیصدی تک سود قانوناً لے سکتا ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر ایک شخص آج سو پونڈ قرض لیتا ہے تو سال بھر میں اُسے ۴۸ پونڈ دینے ہوں گے اور دو سال گذر جانے پر زر اصل سے تقریباً دگنی رقم دینی پڑے گی، اس مہاجنی سود کی بدولت خدا معلوم کتنے خاندان تباہ ہو چکے ہیں، میں نے خود ایسے واقعات دیکھے ہیں جن میں ان سود خواروں ہی کی وجہ سے تباہی آئی۔ جب کوئی شخص ان سود خواروں کے جنگل میں جا پڑتا ہے تو شرح سود کی زیادتی کی بدولت شاذ و نادر ہی ایسا ہوتا ہے کہ وہ شخص حریص ساہوکار کے پنجہ سے صحیح و سالم نکل سکے۔ موجودہ زمانہ کے ماہرین اقتصادیات سود کے کاروبار کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ آخر کیوں؟ محض اس لئے کہ سود کے اصول کی وجہ سے ان کے ہاتھ وہ رقم زائد لگ جاتی ہے جو ان کی نہیں۔ یہ سودی کاروبار بہت ہی مہیب پیمانہ پر جاری ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ حرص اور خود غرضی اپنی انتہائی خوفناک شکل میں پھیلی ہوئی ہے اور اقوام عالم ایک فقر عظیم کے کنارے آ لگی ہیں اور ہر وقت اپنے ہاتھوں پیدا کی ہوئی تباہی میں جا گرنے کے لئے تیار ہیں۔

تعمیری انجمنیں، بینک اور بیمہ کمپنیاں تنظیمی اعتبار سے مضبوط معلوم ہونے کے باعث بہت ہی مفید اور ضروری ادارے سمجھی جاتی ہیں۔ اب میں آپ کے سامنے ایک ایسی مثال پیش کروں گا جو میرے جیسے پیشے والوں کو اپنے پیشہ کے سلسلہ میں اکثر پیش آتی ہے۔ ایک شخص نے ایک مکان بارہ سو پونڈ میں خریدا اور یہ طے پایا کہ وہ ماہ بماہ آٹھ پونڈ کی قسطیں ادا کرے گا۔ ان آٹھ پونڈوں میں نصف سے زیادہ رقم پہلے دس سال کے سود کی رقم ہے وہ شخص سات سال تک یہ قسطیں کسی نہ کسی طرح ادا کرتا رہا۔ آٹھویں سال وہ بیمار پڑا اور ساتھ ہی اسے اپنے کاروبار میں خسارہ ہوا، اور وہ تین ماہ تک قسطیں ادا نہ کر سکا۔ تعمیری انجمن جو سود خوار ہی کی ایک معزز شیطانی شکل ہے، ہر ماہ اُس پر تاوان عائد کرتی رہی، میں اُس غریب مگر ایماندار خریدار کا مشیر قانونی تھا۔ وہ بیچارہ قسطیں ہی ادا کرنے سے قاصر تھا، یہ تاوان کا بار کہاں سے ادا کرتا۔ مگر قانوناً یہ تاوان لگانے والے سود خوار حق بجانب تھے انجام کار انجمن نے اپنے مشیران قانون کو اُس خریدار پر مقدمہ دائر کرنے کی ہدایت کی، میں نے ان کے پاس جا کر منت استدعا کی اور اُس ایماندار خریدار کی تفصیلی صورت حال بیان کی، انہوں نے جواب دیا کہ "ہمیں افسوس ہے لیکن کیا کیا جائے قاعدہ کی پابندی لازمی ہے اور ڈائرکٹران بجز اسکے اور کچھ نہیں کر سکتے، کہ واجب الادا قسطوں کی وصولی کا سلسلہ جاری رکھیں"۔ اس کے بعد انہوں نے مقدمہ دائر کیا اور بالآخر اُس مکان کا قبضہ حاصل کر کے اُس شخص کو مع اسکے گھر والوں کے اُس مکان سے جس میں ان کے سات برس

گذرے تھے نکال باہر کیا۔ یہ ساری کارروائی از روئے قانون جائز تھی، اور بعض لوگ کہیں گے کہ یہی مناسب تھی لیکن کیا انسانیت اسی کا نام تھا؟ اگر سود کا اصول نہ ہوتا تو یہ شخص زرِ اصل بآسانی ادا کرچکا ہوتا اور کمپنی اتنی بیرحمی نہ کرسکتی کیونکہ ایسی صورت میں کمپنی کو نہ کوئی ضرورت محسوس ہوتی اور نہ طمع دامنگیر ہوتی کہ وہ شخص مذکور پر مقدمہ چلا کر مکان پر قبضہ کریں اور اُس مکان کو پھر کسی ایسے شخص کے ہاتھ بیچ ڈالیں جو باقاعدہ اصل وسود ادا کرتا رہے۔ اسلام کے قانون کے مطابق ایک تاجر اپنے ہم پیشہ تاجر یا دوست کو روپیہ قرض دیتا ہے اور مقروض اس رقم کو سچے شکریہ اور احسانمندی کے ساتھ واپس کرتا ہے۔ خیال تو کیجئے کہ یہ اصول کتنا زیادہ مبنی بر انسانیت ہے اور سود نہ لینے کے اعلیٰ اور شریفانہ اصول میں کتنی خالص ہمدردی ومحبت اور ہمجنسی پنہاں ہے۔ کوئی شخص بھی اپنے روپے کو سود پر چلا چلا کر اپنی حرص میں اضافہ نہیں کرتا۔ یہ ظاہر ہے کہ جب کاروباری معاملات میں انسانیت برتی جائے گی، خودغرضی میں کمی ہوگی تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ زندگی کے جھگڑے گھٹیں گے اور روزمرہ کی زندگی اور کاروباری معاملات میں زیادہ اطمینان قلب نصیب ہوگا۔ میں عہد حاضر کے سودخوار اداروں کی شقاوت اور خارج از انسانیت کارروائیوں کی بیسیوں مثالیں دے سکتا ہوں۔ اسلام کے متعلق بہت سے لوگ عجیب عجیب نظریئے رکھتے ہیں اور بہت کم ایسے ہیں جو اسلام کی اُس اصلی اور بے آمیز شکل کا مطالعہ کرتے ہیں جو اس کے ضعیف دماغ والے اور محض زبانی پیرووں کی آمیزشوں سے پاک ہے۔

کاروباری اخلاق کے بعد ہم "صنفی اخلاق" کے موضوع کو لیتے ہیں، آپ میں سے بعض نے سنا ہوگا کہ اسلامی قانون میں ایک اصول "خلوتِ صحیحہ" کا ہے، آپ جانتے ہیں کہ یہ کیا چیز ہے؟ یہ اخلاق کا بلند ترین اصول ہے جو انسانوں کے لئے اُن کے اُن ذاتی تعلقات میں جو وہ صنفِ مقابل سے رکھتے ہیں واجب العمل بتایا گیا ہے بہتر یہ ہے کہ میں ان لوگوں کے فائدے کے لئے جو اس اصول سے ناواقف ہیں اس کی تعریف بیان کردوں، اُس عظیم الشان شارع (اسلام) کے زمانہ میں گو کہ علمِ برق کا اتنا چرچا نہ تھا لیکن وہ انسانی زندگی میں علیحدگی کی ضرورت اور بھلائی سے بخوبی واقف تھے، سائنس کی اصطلاح میں بھی انسانوں کا باہمی صنفی تعلق "برقی رو" ہی کا نام تھا۔

جس طرح انسانی زندگی کے تسلسل کے لئے یہ صنفی تعلق ضروری ہے اُسی طرح یہ امر بھی ضروری ہے کہ وہ قواعد واصول بھی عمل میں لائے جائیں جن کے ذریعہ انسانیت کا بہترین طریق پر تحفظ ہوسکے اور اس کا قیام بلا سوسائٹی کے تباہ وبرباد ہوئے رہ سکے۔ انسان لازمی طور سے ایک پیکرِ اخلاق ہے۔ آپ نے یہ کہاوت سُنی ہوگی کہ "اگر دولت چلی گئی تو کچھ بھی نہ گیا، اگر تندرستی چلی گئی تو کچھ چلا گیا، اور اگر اخلاق چلا گیا تو سب کچھ چلا گیا" ایک انسان بغیر اعلیٰ اخلاق کے ایک درندہ سے بدتر اور ایک سانپ سے زیادہ نقصان پہنچانے والا ہوتا ہے اس لئے حضرت محمدؐ کی عظیم المرتبت ہستی نے اعلیٰ اخلاق کے تحفظ کا اعلیٰ ترین اصول (خلوتِ صحیحہ کی صورت میں) بیان فرمادیا اسلامی قانون میں خلوتِ صحیحہ کے معنی یہ ہیں کہ اگر ایک مرد اور عورت جو ایک دوسرے کے غیر محرم ہیں کسی جگہ اکٹھے اس حال میں پائے گئے کہ وہ تنہا ہیں اور انھیں وہاں کسی قسم کا اندیشہ نہیں تو قانون کے ظاہری اعتبار سے گویا

وہ مرتکب جرم ہوئے۔ میں سمجھتا ہوں کہ میں نے گو کہ نیم قانونی الفاظ استعمال کئے ہیں لیکن مطالب کی خاصی توضیح ہو گئی ہے۔ اب میں اسی برقی رو کی مثال کو پھر بیان کرتا ہوں۔ جو لوگ علم برق کے اصول سے واقف ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ برقی رو مثبت اور منفی دو قسم کی ہوتی ہے۔ یہ دونوں قسمیں باہم ملنے کے لئے ہمہ وقت تیار اور بیتاب رہتی ہیں، جب تک ان دونوں کے مابین خاصا فاصلہ رہتا ہے یا دونوں کو علیحدہ رکھنے والی کوئی چیز موجود ہوتی ہے اس وقت تک یہ دونوں اپنے اپنے خول میں دوڑتی رہتی ہیں لیکن جونہی علیحدہ رکھنے والی چیز ہٹا دی جاتی ہے یا باہمی فاصلہ ایک خاص حد تک کم کر دیا جاتا ہے فوراً دونوں ایک دوسرے کی طرف لپکتی ہیں اور شعلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس موقع پر چاہے ساری دنیا مل کر شعلہ نہ اٹھنے کی دعا کرے تب بھی اس سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ ہر چیز کے لئے فطرت نے قانون اور اصول مقرر کر رکھے ہیں، قانون توڑو گے تو اس کا انجام بھی بھگتو گے۔ انسانی اور اخلاقی دنیا بھی اٹل قوانین سے اسی طرح جکڑی ہوئی ہے جس طرح جسمانی دنیا۔ بنا بریں خلوت صحیحہ ہی کا اعلیٰ اصول مرد و عورت کو اس قابل بناتا ہے کہ وہ اپنے اعلیٰ ترین اخلاق کو قائم رکھیں، یہی وہ اصول ہے جس کے مطابق یورپ میں لوگ نوجوانوں کو علیحدہ رکھنے کے لئے "محافظ عورتیں" رکھتے ہیں، اسلام ان لوگوں کی ہرگز ہمت افزائی نہیں کرتا جو اچھے اصولوں کو قدیم اور دقیانوسی کہہ کر چھوڑ دیتے ہیں، میں نے مانا کہ بہت سے مسلمان سچے مسلمان نہیں اور اسلام کے اعلیٰ معیار کے عامل نہیں۔ لیکن میرا مقصد تو صرف یہ جتانا ہے کہ اسلام میں ایک ایسا معیار موجود ہے، کون شخص ہے جو دنیا میں بداخلاقی کے سیلاب کی روز افزوں زیادتی سے جس کا نتیجہ دنیا کے روز افزوں زوال کی صورت میں نکل رہا ہے بے خبر ہے؟ وہ دن دور نہیں جبکہ ہمیں باوجود اسکے کہ ہم دنیا میں اہم اور معزز حیثیت رکھتے ہیں ان لوگوں کی حماقت کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا جو اخلاق کے اعلیٰ اصول نہیں برتتے۔

موجودہ زمانہ کا رواج ہے کہ نوجوان مرد و عورت کھلے بندوں پھرتے رہتے ہیں اور جب چاہیں بلا کسی پابندی کے باہم ملتے ہیں، یہ رواج دنیا کی موجودہ غیر اطمینان بخش حالت کا ذمہ دار ہے، مسرت گھٹ رہی ہے اور بے چینی بڑھ رہی ہے، میں نے انگلستان میں اپنی نو سالہ پریکٹس کے دوران میں بہت سے ازدواجی مقدموں میں پیروی کی ہے جن میں فریقین زیادہ تر انگریز تھے اس لئے میں بیان کر سکتا ہوں کہ ان زوجین کی زندگی جو اخلاق کے اعلیٰ معیار پر عامل نہیں ہوتے کتنی ناخوشگوار ہوتی ہے، بعض بعض مسلمانوں نے بھی اپنے مذہب اور اسکے اعلیٰ معیار کو بھلا کر اپنے سر مصیبت مول لی ہے، افراد کی اور ان کے توسط سے اقوام اور دنیا کی صحت اور مسرت کا دارومدار اخلاق کے اس اچھے اور عمدہ معیار پر ہے جو کاروباری زندگی اور خانگی زندگی دونوں میں برتا جائے اسلام اس معیار کو بہم پہنچاتا ہے۔ میری تمنا ہے کہ ہر مسلمان سچا مسلمان ہو جائے کیونکہ اس وقت اسلام زیادہ پھیلے گا اور دوسرے مذاہب سے وسیع تر اس کی اشاعت ہوگی۔

اب میں چند لفظ عام اخلاق کے متعلق کہوں گا، اسلام ہی وہ مذہب ہے جو ہر قسم کی نشہ آور چیز بشراب

وغیرہ کو ممنوع قرار دیتا ہے، موجودہ زمانہ کی دنیا خصوصاً نئی دنیا جان چکی ہے کہ روزمرہ کی زندگی کی بہتری اسی میں ہے کہ شراب جیسی بری چیز سے احتراز کیا جائے۔ اسلام اپنے ماننے والے کو کسی حال میں اور کسی رسم کے موقع پر شراب پینے کی اجازت نہیں دیتا۔ شراب کی خرابیاں بحیثیت مجموعی اتنی زیادہ مشہور و معروف ہیں کہ ان کی تفصیل کی حاجت نہیں، ہر سال ان کی بدولت کتنے خاندان تباہ ہو جاتے ہیں؟ کتنے ہی بھلے اور ہونہار اشخاص شروع ہی میں اپنے مفید کارنامہائے حیات سے محروم ہو جاتے ہیں، اسلام میں عیش پسندی کو سختی کے ساتھ قابل تخفیف سمجھنے کا حکم دیا گیا ہے، ایک سچے مسلمان کے لئے روا نہیں کہ وہ اپنی دیواروں پر، یا کہیں اور تصویریں لگائے، زندگی کی سادگی اس کا اعلیٰ ترین مقصد رکھا گیا ہے۔ یہ عیش پسندی ہی ہے جو لوگوں میں تفرقہ ڈالتی اور امیروں کو خود غرض اور غریبوں اور غیر مستحقوں سے بے پروا بناتی ہے جو کچھ مغرب میں ہو رہا ہے اس پر نظر ڈالئے، وہاں یہ ممکن ہے کہ ایک دولت سے لدا پھندا امیر لندن کے مشرقی حصہ میں ایک غریب بھائی رکھتا ہو۔ مغربی حصہ لندن کے تمام تھیٹر، سینما، اور ریسٹورنٹ ہر روز بھرے رہتے ہیں، درآنحالیکہ لاکھوں آدمیوں کو کھانا اور ضروری کپڑا میسر نہیں ہوتا اور یہ صورت حال طبعی اور صحیح بھی جاتی ہے۔ افسوس محض ذاتی مفاد کے لئے انسانی ہستیاں کتنی بری طرح انصاف اور راستی کے معیار کو توڑتی مروڑتی ہیں۔

(اسلامک ریویو)

لا الٰہ الا اللہ

ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

کلید حمد و ثنا لا الٰہ الا اللہ
خلاصہ ہائے دعا لا الٰہ الا اللہ

مسافرانِ حرم شرق و غرب تک پہنچے
بنا کے راہ نما لا الٰہ الا اللہ

بہ پیش دبدبۂ خسروان تیغ بدست
زباں پہ آ ہی گیا لا الٰہ الا اللہ

ہمہ خیال فسانہ، ہمہ دلیل غلط
بنائے ارض و سما لا الٰہ الا اللہ

نثار سیدِ کونین ؐ پر مرے ماں باپ
سبق دیا بھی تو کیا لا الٰہ الا اللہ

نظر پڑی جو کہیں بارگاہِ سلطانی
دماغ و دل نے کہا لا الٰہ الا اللہ

میں اس چمن میں غریب الدیار ہوں شورش
مگر ہے میری نوا لا الٰہ الا اللہ

(بشکریہ چٹان)

سلسلۂ علوم ولی اللّٰہی

الطاف القدس

قسط (۱)

ترجمہ ، مولانا محمد عثمان صاحب کاشف الہاشمی

القاسم کے مقاصد میں ایک بڑا مقصد محققینِ امّت کے ان افکار و خیالات کی تجدید و تشریح بھی ہے جو علم و عمل کی راہ میں امت کیلئے زادِ راہ کی حیثیت رکھتے ہیں مگر لیل و نہار کی گردشوں نے اس توشۂ عزیز کو مختلف اسباب و علل کی بنا پر نگاہِ التفات میں گرد پا کی طرح بے مایہ، اور شعلۂ خاکستر کی مانند مستور کر دیا ہے

ہمارا دل شکر و سپاس کے جذبات سے لبریز ہے کہ ہم نے اپنی منزل کی طرف — جو دور بھی ہے اور دشوار گذار بھی — ابھی چند ہی قدم اٹھائے ہیں کہ ذی علم احباب کی مخلصانہ رفاقت و معیت حاصل ہوتی جا رہی ہے ، اس شمارہ میں پیش نظر موضوع کے تحت ایک بالغ نظر، فکر طراز، اور شگفتہ قلم صاحب ذوق شرکت فرما رہے ہیں . بحث و گفتگو کا یہ عنوان جو موصوف نے اختیار کیا ہے اہم بھی ہے اور پیچیدہ بھی، تصوف سے کتاب و سنت یا کتاب و سنت سے تصوف کو نسبت کیلئے محققین علماء نے اس پر بہت کچھ لکھا ہے واقعہ یہ ہے کہ تصوف سینوں سے سفینوں میں منتقل ہوا تو اپنی اصطلاحات کی پیچیدگیوں، اور اپنی تعبیرات کی نزاکتوں کی بنا پر بدگمانیوں، اور بد اعتمادیوں کا ہدف بن گیا، پچھلے دور میں اساطین تصوف کے قلم سے ایسی بہت سی چیزیں نکل گئیں جو ملفوظات کی حد تک رہتیں تو کانوں سے گذر کر سینوں میں پہنچ جاتیں اور ارباب بحث و تحقیق کو اس میں قیل و قال کی گنجائش نہ ملتی ، مگر یہی ارشادات دامن قرطاس پر آنے کے بعد تصوف کی ذمہ داریوں میں اک مشکل اضافہ اور اہل تصوف پر جواب دہی کا ایک مستقل بار بن گئے

بلاشبہ اسلام کتاب و سنت کے یقین آفریں مجموعہ کا نام ہے لیکن اسلام کے ساتھ جب سے اک مستقل عنصر کی شکل میں تصوف کی نسبت قائم ہوئی ہے، تصوف اور اسلام کا رشتہ اپنوں کی غلط گمانیوں اور غیروں کی انگشت نمائیوں کا دلچسپ موضوع بنا ہوا ہے، آج پہلے سے کہیں زیادہ اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ غلط فہمیوں اور غلط نگاہیوں کا یہ طویل دور ختم ہو اور کتاب و سنت کے اصل مقام، تصوف کی اپنی حیثیت اور اسلام سے اس کے حقیقی ربط و تعلق کی صحیح کیفیت کو واضح کیا جائے تاکہ تصوف کے اس ایمان انگیز روح پرور

سلسلے کو جو اسلام کے ساتھ ہزار سالہ نسبت رکھتا ہے اس عقلی و تحقیقی دور میں بھی اپنے صحیح اوصاف و نتائج کے ساتھ زندہ رکھا جا سکے

الطاف القدس شاہ ولی اللہ کے افکار کا وہ نادر پہلو ہے جو سراسر تصوف کا آئینہ ہے۔ ملت اسلامیہ کے اس عظیم مفکر کے عمرانی اور معاشی نظریات پر تو اس دور کے ہم مزاج و ذوق آشنا حضرات نے طویل طویل بحثیں کی ہیں مگر یہ واقعہ ہے کہ مفکرین و مجددین امت غزالی، شعرانی، مجدد الف ثانی، اور نابغہ دہلوی کے علوم کی گہرائی اور اس کی ساتھ تصوف پر ان کی گیرائی علم و عمل کے جس توازن کی طرف رہنمائی کرتی ہے وہ اہل علم و تحقیق کے لئے ایک لائق مطالعہ عنوان اور جاذب توجہ موضوع ہے اور ہمیشہ رہیگا۔ فاضل اہل قلم اور محب صمیم محترم کاشف صاحب نے اردو میں الطاف القدس کی ترجمانی جس شگفتگی و شستگی کے ساتھ کی ہے وہ ان کا حق ہے۔ توقع ہے کہ الفرقان کے صفحات پر شاہ صاحب کے ان نادر افکار کی تشریح و تعبیر کا یہ سلسلہ ماہ بماہ ہدیۂ ناظرین ہوتا رہیگا "مرتب"

حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی ذات سے برصغیر ہند اور باہر کے رہنے والوں کو جو فائدے پہنچے ان کا اعادہ کوئی کرنا بھی چاہے تو کس کس دائرے میں کرے۔ بس شاہ صاحب کا وجود اللہ تعالیٰ کا ایک فضل عظیم تھا جو اس امت کی پوری زندگی کا احاطہ کئے ہوئے ہے، دیکھنے والے نہ جانے کیوں ادھر بہت دنوں سے ایک ہی پہلو سے دیکھ رہے ہیں، میں اس کو نگاہ کا قصور تو نہیں کہہ سکتا، کرشمۂ مذاق کہا جا سکتا ہے۔ اس وقت جس سلسلہ کی ابتداء ہو رہی ہے یہ حضرت والا کی ذات اور علم دونوں کا ناقابل فراموش حصہ ہے اور دوسرے حصوں کی طرح عظمت کی نشانی ...... مجھے معلوم نہیں کہ الطاف القدس کا سنہ تالیف کیا ہے یا اس کا کوئی شارح بھی ہے یا نہیں۔ افسوس کہ اس جستجو سے معذور ہوں، یہ کام دوسرے حضرات مجھ سے بہتر انجام دے سکتے ہیں، میرے پیش نظر اس وقت یہ امور ہیں،

(۱) علوم ولی اللہی کا ایک ایسا حصہ سامنے آجائے جس سے توجہ کم ہو گئی ہے۔

(۲) یہ معلوم ہو جائے کہ شاہ صاحب علیہ الرحمہ کا کام آگے بڑھنے کی وجہ صرف عمرانی نظریات نہ تھے، جیسا کہ کہنے والے کہہ رہے ہیں۔

(۳) جس دور کے تصوف اور ارباب تصوف کو جی بھر کے کوسا جاتا ہے ان کی تعلیمات معلوم ہو جائیں

(۴) مذاق تحقیق اب ایک پست صورت اختیار کرتا جا رہا ہے اس کی اصل صورت نکھر آئے

(۵) طبقات الصوفیہ تالیف شیخ عبد الرحمن السلمی م ۴۱۲ھ کے ترجمہ کی صورت میں اوائل صوفیہ رحمہم اللہ کے احوال و اقوال پیش کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے[1]، تو نسبتاً ہم سے قریبی زمانہ کے بندگان خاص کے علوم سے بھی استفادے کی کوشش کی جائے

(۶) وعدہ تو نہیں البتہ ذہن میں ضرور ہے کہ اس سلسلہ سے فراغت کے بعد اچھی طرح "تصوف اور عملی زندگی" نیز تصوف اور عقائد

---

[1] یہ سلسل ترجمہ ماہنامہ تذکرہ ـ دیوبند میں شائع ہو رہا ہے۔ کاشف

اسلامیہ پر گفتگو کی جائے

(۷) القاسم پڑھنے والے بھائی اس سلسلہ میں اگر کچھ لکھنا چاہیں تو القاسم کے توسط سے لکھ سکتے ہیں

طالب دعا — کاشف

تقدمہ ہر ایک حمد و ثنا اسی ذات مطلق کے لئے ہے جس نے اپنے اخلاص پر ور بندوں کو آفاق و انفس میں اپنی عظمت کی نشانیاں اور اپنی قدرت کے آثار دکھائے جس سے انہیں خوب معلوم ہو گیا کہ وہ ذات پاک "حق" ہے، کائنات کی ہر چیز کا قیام اسی سے ہے، چاہے وہ قیام انفسی ہو یا آفاقی یعنی ذات کے لحاظ سے ہو یا صفات کے لحاظ سے، کیونکہ اس کے سوا جو کچھ ہے باطل ہے، وہ ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے، پیش و پس، بلند و پست سب اسی کے قبضہ میں ہے

فاینما تولوا فثم وجه الله (بقرہ: ۲: ع ۱۴) پس تم لوگ جس طرف منہ کرو ادھر ہی اللہ کا رخ ہے

و اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمدا عبده و رسوله۔

تسمیہ کتاب اور مشتملات فقیر ولی اللہ العمری الدہلوی احسن اللہ الیہ والی مشائخہ دابویہ، عرض کرتا ہے کہ یہ چند اوراق الطاف القدس فی معرفۃ لطائف النفس کے نام سے موسوم ہیں۔ ان اوراق میں قلب، عقل، نفس، روح، سر، خفی، اخفیٰ، حجر، بحت، انا کی حقیقت بیان کرنے کے ساتھ یہ بھی سمجھایا گیا ہے کہ ان کی تہذیب کا طریق کیا ہے، ان اوراق کے متعلق ارادہ یہ ہے کہ ان میں صرف وجدانی اور کشفی مسائل لکھے جائیں، فکری اور نقلی علوم سے صرف نظر ہو والله علی مانقول وکیل

فصل اول

علم لطائف کے فوائد علم لطائف ایک ایسی میزان ہے جو اللہ تعالیٰ نے متاخرین صوفیہ کو عطا فرمائی ہے، جو لطائف پر جتنی زیادہ نظر رکھتا ہے اسی قدر تہذیب نفس کا مرحلہ اس کیلئے آسان ہو جاتا ہے، لطائف پر قدرت ارشاد اور رہنمائی پر قدرت کا سبب بنتی ہے جو حضرات لطائف کے معاملات و احکام کو جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے یعنی جن صوفیہ کی نظریں اس راہ پیمائی میں گذر گئی ہیں مگر وہ اس بارے کچھ نہیں جانتے ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طرف وہ طبیب حاذق ہو جو علم تشریح پر پوری نظر رکھتا ہو امراض کی تفصیلات سامنے ہوں، یہ بھی جانتا ہو کہ مرض کیسے پیدا ہوتا ہے اس کی علامتیں کیا ہوتی ہیں، پھر ان سب کا علاج بھی ان قوانین کی روشنی میں کرتا ہو جو اسلاف نے صدہا برس کے تجربہ کے بعد مرتب کئے ہیں، دوسری طرف چند گھر کی بڑی بوڑھی عورتیں ہوں جنہیں نہ تجربہ حاصل ہے نہ سوجھ بوجھ، بس یونہی علاج معالجہ کر رہی ہوں

یا یوں سمجھئے جو علم لطائف کو جانتا ہو وہ اس راہبر کی مانند ہے جو مدۃ العمر مقامات و مراحل طے کرتا رہا ہو، راہ کے نشیب و فراز اس کے سامنے آئینہ ہوں، وہ جانتا ہو کہ کونسا راستہ آباد ہے اور کونسا غیر آباد، دوسری طرف ایک جماعت ہے کہ کسی مصیبت سے دوچار ہو کر یا یونہی شوق سیاحت میں نکل کھڑی ہوئی ہے، اک مسلسل سرگردانی کے سوا ان کے پاس کچھ نہیں، نہ مقصد کی خبر ہے، نہ راہ سے شناسائی، اس جماعت کے کچھ لوگ تو بیابان ہی میں ہلاک ہو گئے ہوں چند ایک منزل پر پہنچے ہوں اور پھر مدت دراز کے بعد اپنے وطن لوٹے ہوں، اب ان میں سے ہر ایک اپنی سرگذشت بیان کر رہا ہے، کوئی کچھ کہتا ہے کوئی کچھ کہتا ہے، سننے والے اس بے تکی سرگذشت سے دل تنگ ہو ہو جاتے ہیں، ان میں کوئی بھی ایسا نہیں جو ڈھنگ سے بات کہے

تاکہ جن رُخ کرے بتلائے کہ کون مقام کہاں ہے اور کون چیز کس جگہ ہے

اگر تم یہ چاہتے ہو کہ ان ارباب عقل و تمکین کے نشان قدم پر گامزن ہو جو دراصل انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث ہیں تو علم لطائف کو اپنانا ضروری ہے۔ اگر تم یہ چاہتے ہو کہ بے جا حرکات اور فضول باتوں کو چھوڑ کر صرف سیدھی راہ پر آگے بڑھتے رہو تو علم لطائف کے بغیر یہ سب کچھ نہیں ہو سکتا۔ سمجھ لو کہ علم لطائف ایک عظیم الشان نعمت ہے جس سے صوفیائے متاخرین مالامال کئے گئے ہیں

ذالك من فضل الله علينا وعلى الناس ولكن اكثر الناس لا يشكرون — یہ ہم پر اور دوسرے انسانوں پر اللہ تعالیٰ کا زبردست احسان ہے مگر اکثر آدمی اللہ کا شکر ادا نہیں کرتے

ذکر و فکر کی دو قسمیں

عام طور پر آجکل جو ذکر و فکر کے دو طریقے رائج ہیں وہ دو طرح کے ہیں، انہیں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اسلاف کرام سے منقول ہیں

<u>پہلی قسم</u> یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کسی بندے کو ان کی طرف قدم اٹھانے کا شوق ہوا اور جس طرح بھی بن پڑا اس نے آگے بڑھنا شروع کر دیا۔ آخر اسکو ایسا مقام میسر آگیا جس کو مقام اطمینان کہا جا سکے۔ اب اس سے ایسے آثار ظاہر ہوئے کہ اللہ کے دوسرے بندوں کی راہ نمائی بھی ہونے لگی۔ طلبگار حق اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اس نے اپنی منزل کا پتہ ان کو بھی بتلا دیا اور بس، گویا اس مقام کے سوا نہ کوئی مقام ہے اور نہ اس کمال سے بڑھکر کوئی کمال ہے۔ اس سے اعتقاد رکھنے والوں نے اس راہ کو سب کچھ سمجھ لیا اور اسی کیفیت پر اعتماد کلی کر بیٹھے۔ اس قسم کے افراد بالعموم ایک ہی نسبت کے حامل ہوا کرتے ہیں

(ا) یا نسبت شوق و قلق میسر ہو جاتی ہے

(ب) یا نسبت اویسیتِ ارواح

(ج) یا ملائکہ سفلیہ سے مشابہت کی نسبت

(د) یا نسبتِ توحید

(ہ) یا نسبت طہارت

(و) یا عالم مثال میں جو اذکار کی صورتیں ہیں ان سے نسبت

یا اور اس طرح کی کوئی نسبت میسر آجاتی ہے، اس صورت میں لطائف ارواح میں سے کوئی ایک لطیفہ اس لئے مہذب ہو جاتا ہے کہ اس کو ایک نسبت میسر آگئی ہے۔ باقی تمام لطائف جوں کے توں اپنی حالت پر گم گشتہ رہتے ہیں، اگر ایسے لوگوں کا کمال روحانی تمہارے سامنے مجسم ہو کر آئے تو تم دیکھو گے کہ ایک صورت تو سامنے ہے مگر نصف سفید، نصف سیاہ

خلطوا عملا صالحا واخر سيئا — ان لوگوں نے اچھے برے اعمال کو خلط ملط کر دیا

عموماً ایسے لوگ شریعت کا التزام نہیں کرتے بلکہ یہ کہہ کر تن آسانی کرتے ہیں کہ یہ سب تو ظاہر داری کی باتیں ہیں مقصود یہ ہوتا ہے کہ ہم تو شریعت کی اصل پا گئے، ہمیں ان سے کیا علاقہ ؟

وسيعلم الذين ظلموا اى منقلب ينقلبون — جن لوگوں نے ظلم کیا ہے انہیں ابھی معلوم ہو جائے گا کہ کہاں واپسی ہوتی ہے؟ (ما)

انسانیت کے چراغ

ایثار

● ۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی بیوی ۔ فاطمہ ۔ مشہور اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان کی صاحبزادی تھیں، نکاح کے بعد بیش قیمت لباس اور زیورات پہنے آپ کے ہاں آئیں، آپ اس وقت اگرچہ خلیفۃ المسلمین تھے لیکن سادگی اس درجہ تھی کہ بدن پر چند معمولی اور بوسیدہ کپڑوں کے سوا کچھ نہ تھا اور اہلیہ سر سے پاؤں تک سونے سے لدی تھیں ، یہ دیکھکر آپ نے فرمایا : فاطمہ ! تمہارے زیور تو بڑے قیمتی ہیں ان کی چمک سے میری آنکھیں خیرہ ہوئی جارہی ہیں ۔ غالباً یہ سب تمہیں اپنے والد کی طرف سے ملا ہوگا ؟ فاطمہ نے جواب دیا ... پکا خیال درست ہے یہ میرے والد ہی کا عطا کردہ ہے ۔ فرمایا فاطمہ آج میرے اور تمہارے فیصلہ کا دن ہے ین نے جو فیصلہ کرنا تھا کر لیا اب تمہیں اپنے متعلق فیصلہ کرنا ہوگا ۔ فاطمہ بولیں : "فرمائیے کیا فیصلہ کرنا ہے امیرالمؤمنین!" فرمایا : یہ زیور جو آج تمہارے جسم پر نظر آرہے ہیں یہ نہ میرے ہیں اور نہ تمہارے بلکہ یہ مسلمانوں کے بیت المال کی رقم سے خریدے ہوئے ہیں اور یہ ناجائز تصرف ہے اب تم ہی فیصلہ کرلو کہ تمہیں کیا کرنا چاہئیے ؟ ۔ اگر تمہارا فیصلہ میری مرضی کے موافق ہو تو بہتر ورنہ تمہارا راستہ الگ ہے اور میرا راستہ الگ ۔ میں یہ گوارا نہیں کرسکتا کہ زیورات میرے اور تمہارے درمیان حائل رہیں" ۔ یہ سنکر فاطمہ بولیں : امیرالمؤمنین جو فیصلہ آپ کا ہے وہی فیصلہ میرا ہے ۔ واقعی یہ زیور بیت المال کی ملکیت ہیں اور آپ انہیں وہیں لوٹا دیں بلکہ ہر وہ چیز جو جائز طور پر میری خرید کردہ ہے اگر اسے بھی آپ بیت المال میں داخل کرنا چاہیں تو بھی مجھے کوئی عذر نہیں ۔ فاطمہ کے اس جواب سے حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کا فکرمند چہرہ خوشی سے چمک اٹھا اور فاطمہ نے اسی وقت سارے زیور اتار دیئے اور خلیفہ کے حکم سے بیت المال میں جمع کر دیئے گئے ۔

بروقت تنبیہ

۔ ایک مرتبہ عباسی خلیفہ منصور بغداد کے قاضی کے ہاں تشریف لے گئے ، دیکھا کہ ان کا مکان بڑا شاندار ہے ان میں قیمتی فرش بچھے ہیں اور بہت سے نوکر چاکر جمع ہیں ۔ خلیفہ منصور نے وضو کے لئے پانی طلب کیا ، جب قاضی نے وضو کے لئے پانی کا لوٹا منگوا دیا تو خلیفہ وضو کرنے لگے ، قاضی نے دیکھا کہ وہ کہنیوں تک ہاتھ دھونے کے بجائے

...وں دھوپ میں اس پر قاضی نے لکھتے ہوئے کہا، امیر المومنین یہ کیا اسراف ہو رہا ہے۔ [illegible]
...پار ہے ہیں۔ خلیفہ منصور نے سنکر کہا، پانی گرتا تو فرات ہو گیا اصیبا [illegible] یہ سارا سامان یہ
...حین کا خرچ خدا جانے کہاں سے آتا ہے اسراف نہیں تو تمہاری ذات کے لیے ایک دری اور ایک
...ر کافی ہے پھر یہ قیمتی ساز و سامان اور غلاموں کا لشکر کہاں رکھ چھوڑا ہے؟ یہ سنکر قاضی غفلت کی نیند
...کا اور دنیا چھوڑ کر آخرت کی تیاری میں مشغول ہو گیا۔

مساوات

...یک دفعہ حضرت عبداللہ اور حضرت عبیداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما عراق کی ایک مہم میں شریک ہوئے۔ واپسی
...ب بصرہ آئے تو وہاں کے گورنر حضرت موسیٰ اشعری نے پرجوش استقبال کیا اور کہا کہ "اگر میں آپ دونوں
...کو کوئی فائدہ پہنچا سکتا تو ضرور پہنچاتا۔ یہاں اس وقت میرے پاس صرف صدقے کا مال ہے جس کو
...منین حضرت عمر خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجنا چاہتا ہوں۔ آپ اس مال سے تجارت کا سامان خرید لیں
...ینہ پہنچکر اسے فروخت کرنے کے بعد جو نفع ہو اسے خود رکھ لیں اور اصل رقم بیت المال میں جمع کر دیں،
...ساری رقم ان کے حوالے کر دی اور امیر المومنین حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع دیدی۔ ان دونوں نے اسی پر عمل
...جب یہ دونوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے پوچھا — کیا ابوموسیٰ
...فوج کے ساتھ یہی معاملہ کیا ہے؟ ... دونوں نے جواب دیا "نہیں" ... اس پر حضرت عمر رضی اللہ
...کیا ابوموسیٰ نے میری اولاد سمجھکر تمہارے ساتھ یہ خصوصی رعایت کی ہے۔ اسلئے تم اصل رقم اور نفع
...بیت المال میں داخل کر دو۔

صاف گوئی

...عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور کے دربار میں ایک مرتبہ افریقہ کے ایک قاضی جو زمانۂ طالب علمی میں خلیفہ کے
...تھے حاضر ہوئے۔ منصور نے ان سے دریافت کیا تمہیں میری حکومت اور بنو امیہ کی حکومت میں کیا فرق
... — اور تم اس طویل سفر میں ہمارے جن جن علاقوں سے گذرے ان میں نظم و نسق کا کیا حال ہے؟ —
...صاحب نے جواب دیا، امیر المومنین! میں نے بداعمالیوں اور ظلم و جور کی کثرت دیکھی ہے پہلے تو میرا گمان یہ تھا
...کا سبب آپ کا ان علاقوں سے دور ہونا ہے لیکن میں دار الخلافہ سے جتنا قریب آتا گیا معاملہ اسی قدر نازک
... — یہ سنکر خلیفہ منصور نے گردن جھکالی، تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھا کر کہا "مگر میں کیا کروں" — قاضی صاحب
...کیا آپ کو معلوم نہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا تھا "لوگ بادشاہ وقت کے تابع ہوتے ہیں، بادشاہ
...ب ہوگا تو رعایا بھی نیک اور صالح ہوگی اور اگر بادشاہ خود بدعمل ہوگا تو رعایا بھی نیک نہیں ہو سکتی"۔ یہ سنکر
...کو ندامت ہوئی اور چپ ہو گئے۔

مآثر قاسمی

از: جناب انیس احمد صاحب، بی۔ اے

پہلا سفر حج

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد برصغیر ہند و پاک کی سیاسی فضا نہایت ابتر تھی، ہر طرف دار و گیر کا ہنگامہ بپا تھا افق سے افق تک پھانسیوں کے جھولے لہراتے تھے، برطانوی ملوکیت نے ایک جابر حکومت کے قیام کے بعد وہ لرزہ خیز مظالم ڈھائے کہ آنیوالے پچاس برسوں کیلئے ہندوستان کے سیاسی قوی اور اذہان کو مفلوج کر کے رکھدیا، سفید فام آقاؤں کی قربانیوں سے کوئی محب وطن نہ بچا، ہزاروں بے گناہ بندگان خدا مقتول ہوئے اور سینکڑوں نے ناکردہ گناہ قید و بند کی مصیبتیں جھیلیں مگر خدائے بزرگ و برتر کی بے نہایت لطف فرمائیوں کا مظاہرہ تھا کہ یہ داعیٔ جہاد اکابر ملت تمام آفات سے محفوظ رہے

بالآخر کچھ مدت بعد حضرت حاجی صاحب قدس سرہ العزیز حرمین شریفین کی نیت سے تھانہ بھون سے چلے، مولانا نانوتوی نے، حج بیت اللہ کا ارادہ کیا اور ساتھ ہی مولانا محمد یعقوب نے بھی زاد راہ بہم پہونچایا، چند ماہ انبالہ نگری اور پنجلاسہ وغیرہ مواضعات و قصبات میں چھپتے چھپاتے کشتیوں کی راہ پنجاب ہو کر سندھ پہنچے، آخر کراچی سے عرب کا راستہ لیا، بادبانی جہاز میں سوار ہوئے، گو اس عرصہ میں بہت مخبر لگے ہوئے تھے، پولیس تعاقب میں تھی مگر خدا کا کرنا کہ ان ضمیر فروش جاسوسوں کی ایک نہ چلی، ان کے تمام حربے ناکام ہو گئے اور ہر جگہ حفاظت الٰہی ان اعیانِ ملت کے کام آتی رہی،

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ جمادی الثانی ۱۲۷۷ھ مطابق دسمبر ۱۸۶۰ء میں روانہ ہوئے تھے، مولانا محمد یعقوب بھی ہمسفر تھے، اگرچہ یہ حضرات بے سر و سامان تھے مگر توکل کی بدولت یہ طویل سفر بخیر و خوبی طے ہو گیا اور یہ اصحاب آخر ذیقعدہ میں مکہ معظمہ پہونچے ——

حج بیت اللہ سے فراغت پا کر ربیع الاول ۱۲۷۸ھ مطابق ۱۸۶۱ء میں براہ بمبئی وناسک مراجعت ہوئی، اس زمانہ میں ریل ناسک تک تھی، چنانچہ وہاں سے گاڑیوں میں آئے اور جمادی الثانی تک وطن پہنچے پھر اپنے گھر پر رہے، حاجی صاحب مستقلاً

خطہ میں مقیم ہوگئے ۔ اس عرصہ میں ہندوستان کی سیاسی حالت بہتر ہوگئی تھی فرنگی حکومت اپنی تمام تر قربانیوں کے باوجود جم گئی

حالات پرسکون ہوگئے تھے چنانچہ حکومت ہند نے عام معافی کا اعلان کردیا،

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ ۱۲۷۷ھ میں سفر حجاز سے لوٹے تھے، نزہت رقم منشی ممتاز علی نے میرٹھ میں مطبع مجتبائی قائم کیا اور مولانا

رانی مخلصانہ دوستی کی بنا پر بلا لیا اور تصحیح کی خدمت آپ کے سپرد کی، چنانچہ حضرت نانوتوی ... کم وبیش سات یا آٹھ برس تک مسلسل

مطبع مجتبائی میں تصحیح کی خدمات انجام دیتے رہے ۱۲۸۵ھ میں منشی ممتاز علی ہندوستان چھوڑ کر مستقل قیام کی نیت سے عرب

جانے لگے تو مولوی عبدالاحدان سے مطبع مجتبائی خرید کر اسے دہلی لے گئے، اس زمانہ میں مولانا نانوتوی رحمہ اللہ نے وہیں مولوی

محمد ہاشم علی کے مطبع ہاشمی میں کام کیا

پھر نہ جانے کیا صورت حال پیش آئی کہ منشی ممتاز علی حجاز میں آباد نہ ہو سکے، عرب سے واپس آئے اور دہلی میں مطبع مصطفائی

کے نام سے دوسرا مطبع قائم کیا، منشی صاحب حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کو بھی میرٹھ سے دہلی لے آئے جہاں حضرت نے کچھ مدت

قیام فرمایا، اسی زمانہ میں مدرسہ دیوبند کی بنیاد پڑی

دوسرا حج

غیبی سامان باعث عزم سفر ہوا، چنانچہ حضرت نانوتوی قدس سرہ چند رفقاء کے ساتھ ۸ شوال ۱۲۸۶ھ مطابق ۱۸۷۰ء

کو وطن سے زیارت بیت اللہ کیلئے روانہ ہوئے

ہدیۃ الشیعہ کے کچھ اجزاء منشی محمد حیات مہتمم مطبع ضیائی نے چھاپ دئے تھے اور یہ طے پایا تھا کہ دوران سفر میں جہاں جہاں

موقعہ ہو تحریر و تصنیف جاری رکھی جائے اور آخر میں کل اجزاء منشی صاحب کے پاس بھیج دئے جائیں چنانچہ حضرت نانوتوی باقیماندہ

مسودہ اپنے ساتھ لیکر بمبئی پہونچے، وہاں چند روز ٹھہرنا پڑا تھا، ابتدائی ایام کسالت اور پھر ملالت طبع کے باعث رائیگاں گئے مگر قیام

بمبئی کے آخری ایام میں جوں توں بن پڑا یہ کام تمام کیا، چونکہ روانگی کا زمانہ قریب آگیا تھا اس لئے حسب قرارداد مسودہ منشی محمد حیات

صاحب کے پاس نہ بھیج سکے بلکہ اوراق کا پشتارہ باندھ کر جہاز میں بیٹھے، اس وقت یہ مقصد پیش نظر تھا کہ حجاز پہنچ کر پہلے یہ تمام

اجزاء حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کو سنائے تاکہ اصل مضامین کی حقیقت متحقق ہو جائے

مولانا نانوتوی رح جدہ سے اونٹ پر سوار ہو کر بیت اللہ پہنچے اور دونوں قبلوں یعنی قبلۃ المسلمین اور کعبۂ طریقت کی زیارت سے

مشرف ہوئے، حاجی صاحب کو ہدیۃ الشیعہ کا ضمیمہ سنایا

حقیقت یہ ہے کہ مولانا نانوتوی کی یہ وہ معرکۃ الآراء تصنیف ہے جس میں آپ نے ثابت کیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

اپنے روضۂ پاک میں بجسدہ زندہ ہیں، یوں سمجھئے کہ چلہ کش گوشہ نشینوں کی طرح عزلت گزیں ہیں، کتاب و سنت کے بینات کو

عقلی استدلال کے رنگ میں پیش کرنے کی یہ بےمثال کوشش ہے

حضرت نانوتوی نے حاجی صاحب کی زبان صدق ترجمان سے تحسین و آفریں سن لی تو اصل مضامین کی حقیقت آپ کے

نزدیک محقق ہوگئی اور آپ کو کامل اطمینان ہوگیا، البتہ حاجی صاحب قبلہ کے مشورہ کے مطابق تقریر اثبات حیات سید الموجودات

... ایک ایسا عرفانی

وعلمی ہدیہ ہے جس سے لوگ ہمیشہ مستفیض ہوتے رہیں گے

حضرت نانوتوی کی یہی وہ تصنیف ہے جس کے کچھ اجزاء حرمین شریفین میں لکھے گئے، کتاب کا آغاز وطن میں ہوا تھا اور اختتام خانۂ کعبہ میں، پس یہ ہے کہ قبہ خضراء کے سامنے بیٹھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزلت گزینی کی استدلالی تصویر کشی کی کشفی ووجدانی حلاوتیں ناقابلِ بیان ہیں، شاید اسی لئے آب حیات حضرت نانوتوی قدس سرہ العزیز کی انتہائی مبارک ومسعود تصنیف ہے جو دوسرے سفر حج کی یادگار ہے

حج کے بعد حضرت نانوتوی نے حجاز میں مختصر قیام کیا اور ۲۵ ذی الحجہ کو مشتاقین زیارت کی ایک قافلہ کے ساتھ مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ روانہ ہوئے اور بخیریت تمام وطن پہنچے

آخری حج

سنہ ۱۲۹۴ھ مطابق ۱۸۷۷ء میں حضرت گنگوہی رحمہ اللہ عازم بیت اللہ ہوئے، مولانا نانوتوی رحمہ اللہ کو ان کے سفر حج کی اطلاع ہوئی تو آپ مولانا گنگوہی کو رخصت کرنے کیلئے گنگوہ تشریف لے گئے مگر نوشتۂ تقدیر کچھ اور تھا کہ خدائے لطیف وخبیر کے الطاف بے پایاں کی کوئی حد نہیں ہے وہ جس کو نوازتا ہے اس کی سرفرازیوں کا کیا کہنا، شانِ کریمی نے مولانا کو دربار حبیب میں پہنچا دیا، صورت حال یہ پیش آئی کہ حضرت گنگوہی قدس سرہ نے آپ کی رفاقت کی خواہش کی، مولانا نانوتوی نے کچھ عذر پیش کئے لیکن حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی طرف سے اصرار بڑھتا گیا، آخر کار فیصلہ یہ ہوا کہ مولانا نانوتوی رفیق سفر ہوں گے اور بمبئی تک کے مصارف سفر کا ذمہ حضرت گنگوہی نے لے لیا اور آئندہ کے مصارف کا مسئلہ توکل علی اللہ پر چھوڑ دیا گیا

حجاج کا یہ قافلہ سو سے زائد برگزیدہ علماء وصلحاء پر مشتمل تھا حضرت گنگوہی میر قافلہ تھے: تذکرۃ الرشید میں چند ہمراہیوں کے نام ملتے ہیں ——

مولانا گنگوہی، مولانا نانوتوی، حکیم ضیاء الدین رامپوری، مولانا محمد مظہر نانوتوی، مولانا محمد اسماعیل، مولوی سخاوت علی انبیٹھوی مولانا محمد منیر نانوتوی، مولانا حافظ عبد الاول گلاؤٹھوی، حاجی ظہور احمد انبیٹھوی، حاجی عبد المجید گنگوہی، مولوی الطاف الرحمن، حکیم منصور علیخاں۔ ان کے علاوہ مولانا محمد یعقوب، مولانا رفیع الدین، مولانا محمود حسن اور حکیم محمد دیوبندی پہلے ہی بمبئی پہنچ چکے تھے، مزید برآں بہت سے اسٹیشنوں سے مشتاقین زیارت بیت اللہ کا تانتا بندھا رہا

حضرت گنگوہی اپنی جماعت کو لیکر ۱۲ شوال سنہ ۱۲۹۴ھ مطابق ستمبر واکتوبر ۱۸۷۷ء کو سہارنپور سے روانہ ہوئے اور یہ عجیب رنگ تھا کہ جس قابل ذکر اسٹیشن پر گاڑی ٹھہرتی خلق اللہ کا ایک ہجوم مولانا نانوتوی نور اللہ مرقدہ کو ڈھونڈتا نظر آتا اور ملنے والے ملاقات ومصافحہ کے بعد عام ہدایا وتحائف در قوم آپ کی نذر کرتے غازی آباد سے گاڑی بدلنی پڑی اور پھر ہدایا در قوم کا وہی حیرتناک منظر پیش آیا، گاڑی اٹاوہ پہنچی، مولانا محمد مظہر نانوتوی کی اہلیہ محترمہ کے بھائی نے بمنت پورے قافلہ کو ایک شب کی دعوتِ قیام دی جو منظور ہوئی، شہر کے ایک رئیس نواب ممتاز علی خاں برگزیدہ علماء اور اکابر ملت کے اس عظیم مجمع کو پاکر اس قدر خوش ہوئے کہ انہوں نے نہایت اخلاص والحاح کے ساتھ قافلہ کی مہمانداری کی درخواست کی جو ان کی مخلصانہ محبت کے پیش نظر منظور کیگئی

اٹاوہ سے یہ قافلہ روانہ ہوا راستہ میں زیارتِ حج کے مشتاقین کہ جن کے نصیب میں یہ معیت مبارکہ مقدر ہو چکی تھی اجازت

لے لے کر ساتھ ہوتے جاتے تھے یہاں تک کہ گاڑی الہ آباد پہنچی وہاں سے بمبئی کے لئے گاڑی تبدیل کی راستہ میں ان اکابر ملت سے بہت سی کرامتیں سرزد ہوئیں، اس سلسلہ میں ایک واقعہ کا ذکر ملتا ہے کہ جبلپور بمبئی لائن کے درمیان کسی اسٹیشن پر جہاں گاڑی ٹھیک نماز صبح کے وقت پہنچ کر رکتی تھی یہ خیال کر کے کہ ابھی یہ ٹھہرے گی نمازی گاڑی سے اتر کر نماز پڑھنے لگے، حضرت گنگوہی امام تھے ابھی نماز ہو ہی رہی تھی کہ ریل نے سیٹی دیدی جسے سنکر تمام نمازیوں میں ایک خلفشار برپا ہو گیا کمزور دل اور اختلاج کے مریض نمازی نیت توڑ کر یہ کہتے ہوئے گاڑی میں جا بیٹھے کہ واہ بھئی! خوب نماز پڑھی، لیکن حضرت گنگوہی اور آپ کے دوسرے ساتھی سیٹی سے یکسر بے پروا نماز میں مشغول رہے کیسی عجیب بات تھی کہ ادھر نماز ہو رہی تھی اور ادھر ریل چیخ رہی تھی مگر ایک قدم بھی آگے نہ بڑھ سکی، مقررہ وقت سے ۱۷ منٹ زائد گزر گئے، آخر جب یہ ستودہ صفات اصحاب باطمینان کامل نماز سے فارغ ہو گئے تو سوار ہوئے اور ریل متحرک ہوئی اور بخیریت تمام بمبئی پہنچے —

اللہ کی شان ہے کہ جس نیک نفس اور پاک باطن کے پاس چلتے وقت کچھ بھی نہ تھا بمبئی پہنچتے پہنچتے اس کے پاس زر کثیر جمع ہو گیا، بمبئی پہنچنے پر خزانچی نے مولانا نانوتوی کو، قوم کی میزان سے مطلع کیا تو حضرت نے چند اعزہ ورفقاء و متوسلین کو تار دیکر بلایا کہ "حج کا ارادہ ہو تو بمبئی پہنچ جاؤ"

حاجیوں کا بمبئی میں قیام طول پکڑ گیا تو بہت سے کمزور ساتھی پریشان ہوئے اور ان کے دلوں میں عجیب وسوسوں نے جگہ پائی مگر اتفاق ملاحظہ ہو کہ اس دوران میں کوئی جہاز نہ آیا جو حاجیوں کو لیکر جدہ جاتا، قافلہ کو بمبئی میں پڑے ہوئے ۲۲ دن ہو گئے آخر جس روز حضرت نانوتوی کے بلائے ہوئے اصحاب پہنچے اسی روز ایک جرمنی جہاز آیا اسے ٹھیکہ پر لیا اور حجاج کا یہ عظیم قافلہ اس میں سوار ہوا —

جہاز کے سفر میں ہر دو حضرات کا فرق طبائع اپنا اپنا رنگ دکھلاتا رہا، مولانا نانوتوی اکثر اوقات مجمع میں گھرے رہتے اور خلق اللہ کو کلمات طیبات سے مستفیض فرماتے رہتے تھے اور حضرت گنگوہی حجاج کی خدمت وراحت رسانی اور رفقائے سفر کے مال ومتاع کی حفاظت وانتظام میں مشغول رہتے تھے —

حجاج کا یہ قافلہ آٹھ روز میں عدن پہنچا اور ایک دن رات وہاں ٹھہر کر جہاز روانہ ہوا، چوتھے روز جدہ کی بندرگاہ نظر آئی اور پورا قافلہ نہایت آرام وراحت کے ساتھ تیرہویں دن جدہ پہنچا، وہاں چند روز قیام کرنا پڑا کیونکہ مکہ معظمہ جانے کیلئے اونٹ نہیں ملے — بقول مولانا عاشق الٰہی اس برس علاوہ عام اسباب کے سواریوں کی فراہمی کی راہ میں ایک خاص وجہ سے بڑی رکاوٹ پیدا ہوئی تھی، قصہ ذرا طویل ہے مگر اس کا ماحصل یہ ہے کہ میرٹھ کے مولوی محمد احسن نے مکہ معظمہ ہو کر کوشش کی کہ مطوفی کا حق انکو بھی دیدیا جائے، ان کی یہ کوشش کامیاب ہوئی اور انہیں مطوفی کی باضابطہ سند حکومت سے مل گئی

ان کی مطوفی کا یہ پہلا سال تھا وہ حاجی صاحب سے اجازت لیکر جدہ پہنچے اور بندرگاہ پر پورے قافلہ کا استقبال کیا، مولوی صاحب مطوف کی یہ پیشقدمی ان کے دوسرے ہم پیشہ مطوفین پر شاق گذری کہ حاجیوں کی اتنی بڑی تعداد اس نووارد کو مل گئی [illegible] مطوفین نے [illegible] اندازیاں کیں کر تین دن تک مولوی محمد احسن کو کرایہ کے اونٹ بھی نہ ملے جن پر حاجیوں [illegible] وقت [illegible] سواریاں نہیں مل رہی تھیں تمام مسافروں میں عجیب بے چینی پھیل رہی تھی۔ ان۔

یونہی گذرے جارہے تھے۔ اسی زمانہ میں حضرت نانوتوی کی زبان پر بے اختیار یہ شعر جاری ہوگیا

مانگا کریں گے ہم بھی دعا ہجرِ یار کی ؛ آخر کو دشمنی ہے اثر کو دعا کے ساتھ

(مذہب منصور ص ۱۷۹)

سواری کے بندوبست میں پیشہ ور مطوفوں کی باہمی لاگ کی وجہ سے جو افراتفری پیدا ہوئی اس کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ مولوی محمد احسن کافی تگ و دو اور تین چار روز کی مسلسل کوشش کے بعد اونٹوں کے بندوبست میں کامیاب ہوئے مگر پھر بھی یہ قافلہ بیک وقت روانہ نہ ہوسکا مجبوراً دو ٹولیوں میں منقسم ہوگیا، چنانچہ یہ حضرات ۲۲ ذی قعدہ کو جدہ سے مکہ معظمہ روانہ ہوئے، کچھ لوگ پہلے بھیجے گئے اور باقیماندہ حضرات بعد میں چلے، جو اونٹ پہلے چلے تھے انہوں نے بحرہ میں اور باقی قافلہ نے جدہ میں قیام کیا اس طرح پہلا قافلہ اگلے روز رات کے وقت مکہ معظمہ پہنچا اور دوسرا قریب صبح صادق داخل شہر ہوا۔

جس وقت قافلہ باب مکہ پر پہنچا تو سب نے دیکھا کہ اعلیحضرت حاجی صاحب باوجود ضعف و نقاہت پٹکے سے کمر باندھے جوش محبت میں سنت استقبال کے لئے فصیل کے پاس کھڑے ہیں، جاں نثار خدام اسی وقت اونٹوں سے اتر کر بغلگیر ہوئے، حاجی صاحب قافلہ کے ایک ایک متنفس سے خواہ وہ اجنبی تھا یا واقف خوب خوب بغلگیر ہوئے بعض احباب کا یہ جوش مصافحہ و معانقہ اعلیحضرت حاجی صاحبؒ کی تکلیف کا سبب ہوا اگرچہ پھر بھی سب سے بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ ملتے رہے،

حاجی صاحب کی خوشی کے مطابق پورا قافلہ آپ کے یہاں اقامت گزیں ہوا، اسی سال ایک عقیدت مند جاں نثار نے محلہ حارۃ الباب میں ایک عمدہ مکان خرید کر حاجی صاحب کی نذر کیا تھا، یہ مکان دو منزلہ اور اتنا وسیع تھا کہ تمام ہمراہی اس میں جابجا ٹھہر گئے،

مکہ مکرمہ میں قیام کا یہ زمانہ بڑی فرحت و انبساط میں گذرا، حقیقت یہ ہے کہ نشاط کی جن نورانی کیفیتوں سے ان بزرگوں کے قلوب معمور تھے زبانِ خامہ اس حال کے بیان سے عاجز ہے، حارۃ الباب کے اس مکان میں دونوں بزرگ مقیم تھے، حاجی صاحب تشریف لائے اور تصوف کے عام مسائل کے علاوہ وحدۃ الوجود پر بڑی عمدہ تقریر فرماتے، مولوی محمد مظہر نانوتوی اس تقریر پر شبہات پیش کرتے اور حاجی صاحب ان شکوک و شبہات کا جواب نہایت متانت سے آسان طریقہ پر دیتے تھے اس قسم کی نشستوں میں حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کبھی کوئی شبہ پیش نہ کرتے اور اسی طرح مولانا گنگوہی علیہ الرحمۃ بھی خاموش بیٹھے سنا کرتے تھے

مکہ سے مدینہ کیلئے روانگی

بعد حج سلطانی راستہ سے مدینۃ الرسول روانہ ہوئے، اس سلطانی راستہ پر مدینہ منورہ کے پاس وہ مقام آتا ہے جہاں سے گنبد خضرا کی دید کے تمنائیوں کی آرزو کی تکمیل کا آغاز ہوتا ہے، عام طور پر یہ مقام جہاں مصرح کے نام سے موسوم ہے، یہ قافلہ منزل بمنزل مدینہ کے قریب پہنچا حضرت نانوتوی کی وارفتگی کا یہ عالم تھا کہ جہاں سے روضۂ شہ لولاک نظر آتا تھا فوراً حضرت نے جوتے اتار کر بغل میں دبالئے اور پچھلی رات کے اندھیرے میں مدینہ منورہ تک کئی میل اسی طرح پیدل چلے

راستہ پر برہنہ پا چل کر، روضۂ اقدس پر حاضری دی

رات ہونے کی وجہ سے مدینۃ النبی کا دروازہ بند تھا اس لئے قافلہ مناخہ میں ٹھہرا علی الصبح حضرت گنگوہی معہ دیگر حضرات نماز صبح ادا کرنے کیلئے قافلہ سے نکلکر مسجد نبوی کی طرف روانہ ہوئے، نماز سے فارغ ہو کر روضۂ سرور کائنات پر حاضر ہوئے اور بڑے جوش و شوق کے ساتھ صلوٰۃ وسلام عرض کیا، اس کے بعد مواجہہ شریف میں بیٹھکر مراقبہ کیا تا اینکہ

صبح آیا جانب مشرق نظر ٭ اک نگار آتشیں رخ سر کھلا،

پھر حضرت شاہ عبد الغنی محدث کی بابرکت خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے مکان پر قیام کیا شاہ صاحب قدس سرہ کو اپنے ارشد تلامذہ کے ساتھ ارتباط خاص تھا، استاد مکرم کی مہمانی کی جو سرفرازیاں آپ کو میسر تھیں انکا ذکر بڑا مشکل ہے شاہ صاحب نہایت متقی کامل، متواضع اور کم گو تھے، بلا ضرورت زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکالتے تھے مجمع میں جو احباب تھے ان سے بھی شاہ صاحب نے اخلاق کریمانہ سے مصافحہ کیا، بہت مسرور ہوئے اور حالات پرسی فرماتے رہے

مدینہ منورہ میں اس قافلہ نے کم و بیش بیس روز قیام کیا، ان ایام میں مدینہ و اطراف مدینہ کے آثار و مزارات پر حاضری کی تمنا مہمانوں کی طرف سے شاہ صاحب کی خدمت میں کی گئی تو آپ نے ایک شخص ملا سفر بخاری کو ان حضرات کے حوالہ کیا اور فرمایا کہ یہ حضرات جہاں حاضر ہونا چاہیں وہاں لیجائیں چنانچہ ان لوگوں نے مسجد قبا، قبلتین، ابیار سبعہ، جبل احد وغیرہ زیارت گاہوں پر حاضری دی اور خوب خوب گلہائے نعم خداوندی سے دامن دل بھرا

مدینۃ الرسول میں بیس روز کے قیام کے بعد یہ قافلہ مکہ مکرمہ واپس ہوا اور حارۃ الباب میں قیام کیا اور سب ایک ماہ سے زائد مقیم رہے، اس طویل قیام کی غالباً ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ترکوں اور روسیوں میں جو جنگ ہو رہی تھی اس کے نتیجہ کا بھی انتظار تھا، آخر روس فتح یاب ہوا، جب پلونا میں ترکوں کی شکست کی خبر مکہ پہنچی تو علاوہ طبعی اندوہ و ملال کے واقعہ کی تحقیق کی طلب و فکر کے باعث پھر قصد سفر ملتوی ہوا، دراصل خاص قسم کے سیاسی حالات تھے جن کے تحت ان بزرگوں کو اپنا سفر ملتوی کرنا پڑا. آخر حاجی صاحب نے اپنے روحانی بیٹوں سے فرمایا " جو کچھ مقدر تھا ہوا اور جو ہونا ہے وہ ہو کر رہے گا" لہذا " جاؤ! بسم اللہ کرو " !

چلتے وقت حاجی صاحب نے لوگوں سے فرمایا کہ " مولوی صاحب نانوتوی کا دم غنیمت جانو اور ان کی تحریر و تقریر محفوظ رکھا کرو، فی الواقعہ آپ کے اس فرمان میں کشف کونیہ کی ایک حقیقت، نہاں خانۂ غیب کی ایک پیش گوئی مضمر تھی جسے اس وقت کوئی نہ سمجھ سکا۔

الحاصل جب حاجی صاحب اور ان متبرک مقامات کی زیارت سے واپس ہوئے تو جدہ پہنچ کر مولٰنا نانوتوی کو بخار ہو گیا، مگر لوگوں کو خیال ہوا کہ شاید یہ حاجی صاحب کی جدائی اور متبرک مقامات پر پیادہ پا چلنے کے سبب تھکن سے ہوا ہے، اسی حال میں جدہ پہنچے، جو جہاز ہندوستان کیلئے تیار کھڑا تھا گو اس میں جگہ کی تنگی کی تکلیف تھی مگر چونکہ یہ جہاز لنگر اٹھانے والا تھا اور دوسرے جہازوں کی آمد و روانگی میں تقریباً دو ہفتہ تھے اس لئے یہ خیال کر کے اس میں سوار ہو گئے کہ پندرہ روز میں بمبئی پہنچ جائیں گے، یہ عجیب اتفاق تھا کہ اثنائے سفر میں اتنی ہی تکلیف اٹھائی جسقدر کہ جاتے وقت جہاز میں راحت و آسائش پائی تھی،

جہاز میں دو روز گذرے تھے کہ مولانا کو دورۂ صفرا ہوا اور بخار بھی، صفرا کی زیادتی تھی، بار بار استفراغ ہوتا تھا، آٹھوں پہر میں کسی بھی وقت اتنا سکون نہ ملتا کہ اچھی طرح سو جائیں، البتہ جب نماز کا وقت ہوتا تو استفراغ موقوف ہوتا اور مولانا بیٹھ کر اطمینان سے نماز ادا فرماتے اور پھر وہی پے در پے دورہ شروع ہو جاتا، آٹھ روز تک یہی حالت رہی، جہاز میں نہ راحت کی جگہ تھی اور نہ دوا، اور نہ کچھ تدبیر ہو سکتی تھی، ہر طرف ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھا اور اللہ کا نام، ایسے میں کسی دوا کا ملنا تقریباً ناممکنات میں سے تھا۔ اس زمانہ میں حکیم منصور علی خاں نے مولانا کی بڑی خدمت کی اور کئی راتیں جاگ کر کاٹیں۔

شدنی بات کہ انہیں ایام میں جہاز میں وبا پھوٹ پڑی جس میں ہر روز کئی کئی آدمی مرنے لگے، جہاز عدن پہنچا تو وہاں قرنطینہ ہو گیا، لہٰذا نہ جہازی کنارے پر اتر سکے اور نہ شہر کے آدمی جہاز پر آ سکے کہ کوئی دوا دارو مہیا ہو سکتی۔ آخر اس بیکسی و بے بسی میں مرض کی شدت اس درجہ بڑھ گئی کہ ایک دن سب لوگ مایوس ہو گئے مگر خدا کا کرنا کہ پھر طبیعت از خود بہتر ہو گئی

خدا خدا کر کے عدن کے قرنطینہ سے جہاز کو چھٹی ملی وہ آگے بڑھا اور حضرموت کی بندرگاہ پہنچا، مکلہ میں قدرے قیام کیا وہاں سے لیموں لئے تربوز اور گلاب لیا اور بعض ادویہ مل گئیں، جہاز کے عیسائی ڈاکٹر نے کونین دی اور غذا میں مرغ کا شوربہ تجویز کیا، وہاں مرغ میسر نہ آیا آخر ڈاکٹر نے اپنے پاس سے مرغ دیا

مولانا کو دورہ میں غذا سے مطلق نفرت ہو جاتی تھی اب کچھ رغبت ہوئی جب بمبئی کے قریب پہنچے تو قے موقوف ہو گئی اور مولانا اٹھنے بیٹھنے لگے، جہاز سے اترنے کے بعد فوری سفر نامناسب جانا، لہٰذا چند روز قیام کیا، طبیعت قدرے بحال ہوئی تو عازم وطن ہوئے

ہر چند موسم سرما کا آخر تھا مگر نقاہت بہت باقی تھی، بمبئی کے اطراف میں تو ذرے خنکی تھی گاڑی آگے بڑھی جبلپور کے میدانوں میں اس وقت دوپہر کی لو چلتی تھی، یہاں پہنچ کر حضرت کی طبیعت بگڑ گئی مگر اس وقت کچھ دوائیں، لیموں اور نارنگی میسر تھی، دی گئیں، پانی پلایا گیا جس سے افاقہ ہوا، آمادہ تک حضرت ریل میں لیٹے ہوئے تشریف لائے

وطن پہنچنے کے بعد مرض دفع ہوا گر طاقت نہ آئی، کھانسی ٹھہر گئی تھی اور کبھی کبھی سانس کا بھی دورہ ہوتا تھا۔ اگرچہ زیادہ دیر تک بولنا مشکل تھا، تاہم اس بیماری اور ضعف و نقاہت کے باوجود حضرت نانوتوی درس و تدریس میں مشغول ہو گئے

نقد و نظر

جدید آسان لغات القرآن

مرتبہ: عبدالکریم پاریکھ ناگپوری۔ ناشر محمد عبدالرشید خاں۔
پتہ: مین روڈ۔ کامٹی۔ ناگپور۔ صفحات: ۳۰۶ سائز ۳۰×۲۰/۱۶
قیمت درج نہیں۔

ادھر پچھلے ۲۵، ۳۰ برس میں مسلمانوں کے تعلیم یافتہ طبقے میں مطالعۂ قرآن کا اچھا خاصا چرچا رہا ہے اس کے نتیجہ میں کچھ حضرات نے براہ راست قرآن سمجھنا اور بغیر کسی واسطے کے قرآن کے معانی و مفہوم تک پہنچنے کے لئے عربی زبان کی کچھ ایسی کتابیں مرتب کرنے کی کوشش کی ہے جن میں اک طرف عربی زبان کے قواعد صرف و نحو کی بنیادی مشقیں شامل ہوں اور دوسری طرف قرآن کے الفاظ کا اک ایسا ذخیرہ اس میں آجائے جو اپنے اشتقاق کے اعتبار سے دوسرے الفاظ پر حاوی ہوں ــــ پیش نظر کتاب بھی کم وقت اور تھوڑی محنت کے تصور کے تحت قرآن فہمی کے سلسلہ کی اک نئی اور مفید کوشش ہے۔ اس جدید لغات القرآن کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں صرف لغوی معنی کی رعایت پیش نظر نہیں رہی بلکہ قرآن کے انداز بیان اور سیاق و سباق سے پیدا ہونے والے مفہوم کا لحاظ رکھا گیا ــــ ہر ہر سورۃ میں جو الفاظ اپنے مقام پر اک مخصوص مفہوم ظاہر کرتے ہیں ترتیب کے ساتھ ان کو بیان کیا گیا ہے۔ اس اعتبار سے اس جدید لغات میں اک نیا پہلو یہ ہے کہ قرآن کے الفاظ کا مفہوم عربی صرف و نحو کی اکتا دینے والی بحثوں میں پڑے بغیر ذہن نشین کرنے کی کوشش کی گئی ہے ــــ اور اہتمام کے ساتھ الفاظ کے تراجم معروف مترجمین و مفسرینِ قرآن سے لئے گئے ہیں اگرچہ بعض مقامات پر کچھ الفاظ کا مفہوم نظر ثانی کا محتاج ہے لیکن بحیثیت مجموعی قرآن فہمی کی یہ مختصر سی گائڈ ضرورت کی چیز ثابت ہوگی، ہمارے نزدیک پاریکھ صاحب کی یہ کوشش قابل قدر اور لائق استفادہ ہے۔

آثارِ امام

مرتب: عبدالحفیظ رحمانی۔ ناشر: مکتبہ شہاب، دیوبند۔ ضخامت ۲۰۰ صفحات
سائز ۳۰×۲۰/۱۶۔ مجلد۔ قیمت تین روپے پچاس نئے پیسے۔

عبدالحفیظ صاحب رحمانی نے جس علمی موضوع پر قلم اٹھایا ہے اور جن عربی نوادر کو اردو کا قالب بنایا ہے وہ علمی حلقوں کے لئے خاصے کی چیز ہے۔ دراصل یہ کتاب متعدد کتابچوں پر مشتمل ہے۔ العالم و المتعلم امام اعظم اور ابو مقاتلؒ کا اک اہم مذاکرہ ہے۔ الفقہ الابسط ابو مطیع بلخی اور امام صاحبؒ کی اک علمی گفتگو ہے۔

میری اک مکتوب ہے جو امام اعظم نے عثمان البتی کے کچھ سوالات کے جواب میں ارسال فرمایا تھا۔ چوتھی چیز امام صاحبؒ کا اک وصیت نامہ ہے۔ پانچویں چیز ذہبی کے مناقب امام اعظم کے آزاد ترجمے پر مشتمل ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے مناقب بھی آگئے ہیں۔ یہ سب عنوانات تھے جن کو عربی سے اردو میں منتقل کیا گیا، آخر میں اک مختصر مگر جامع گفتگو اجتہاد کے موضوع پر خود مرتب کے قلم سے ہے

پوری کتاب میں جو زبان استعمال کی گئی ہے اس کے بارے میں خود مرتب کا خیال ہے کہ وہ خواص کی زبان نہیں بلکہ عوامی زبان ہے، مگر ہمارے نزدیک یہ اونچی سطح کے تعلیم یافتہ عوام کی زبان ہے جو ایک علمی موضوع سے متعلق ہو کر بھی اپنی روانی و سلاست اور شگفتگی و برجستگی کے اعتبار سے اس قابل ہے کہ ترجمہ نگار سے آئندہ ایک اونچے درجہ کا مترجم ہونے کی توقع کیجا سکتی ہے۔ اسکے مباحث علمی اخلاقی اعتقادی اور تاریخی مباحث ہیں جنکا مطالعہ اہل فکر و نظر کے لئے مسرت انگیز و علم افروز ثابت ہو گا۔

اب کچھ باتیں قابل غور ہیں جنہیں آئندہ نظر ثانی کے وقت ملحوظ رکھا جانا چاہئے۔ اجتہاد کے عنوان کے تحت احکام شرعیہ کی دوسری بنیاد عمل رسول کو قرار دیا گیا ہے، اگرچہ اس کا مفہوم قول رسول تک وسیع کیا جا سکتا ہے مگر اصطلاح کے اعتبار سے یہ تعبیر ناقص رہ جاتی ہے اس لئے کیوں نہ سنت رسول کا اک جامع و مانع لفظ استعمال کیا جائے۔ مجتہد منتسب کا اطلاق فقہاء احناف نے اگرچہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ پر کیا ہے مگر یہ واقعہ ہے کہ ان حضرات کا امام اعظمؒ سے فروعی مسائل ہی میں نہیں بلکہ اصول میں بھی اختلاف ہوا ہے۔ شرائط اجتہاد میں امام بغوی کے بیان کردہ شرائط ذکر کئے گئے ہیں مگر ان کے ساتھ ساتھ ورع و تقوی کی شرط رہ گئی ہے جو ہر مجتہد کے لئے بنیادی شرط ہے کہ اسکے بغیر کوئی بڑے سے بڑا عالم بھی مجتہد نہیں بن سکتا، کتابت کی بے نہایت اغلاط ایسی اچھی کتاب کی معقولیت و مطالعہ کی راہ میں گراں بن گئی ہیں پھر بعض صفحات کی ترتیب غلط ہو جانے سے لطف مطالعہ بری طرح مجروح ہوتا ہے۔ صفحہ ١٢٩ کے بعد صفحہ ١٣٦ آگیا، صفحہ ١٣٥ کے بعد صفحہ ١٣٢ صفحہ ١٣٣ کے بعد صفحہ ١٣٠ صفحہ ١٣١ کے بعد صفحہ ١٣٦ اور صفحہ ١٣٧ کے بعد صفحات خالی ہیں، صفحہ ١٤٠ کا آغاز شدہ صفحہ ١٤١ کے بعد صفحہ ١٣٨ اور صفحہ ١٣٩ کے بعد صفحہ ١٤٤ ہے۔ غالباً پریس میں پلیٹ غلط چھپنے کی وجہ سے یہ شدید خامیاں رہ گئیں۔ صفحہ ٥١ پر ارجاء پر گفتگو کرتے ہوئے جماعت کا ترجمہ پارٹی کیا گیا ہے۔ ایک غیر سیاسی اور علمی بحث میں پارٹی کا لفظ وجدان پر گراں گذرتا ہے۔ صفحہ ١٣٧ پر چھٹی سطر سے عبارت شروع ہوتی ہے "زندگی در اصل نام ہے اک نہ بدلنے والی چیز کا اور نہ بدلنے والی چیز تو اس کا قوام اس کی حقیقت اور اس کی ہم آہنگی ہے اور بدلنے والی چیز اسکے وسائل ہیں" اس عبارت میں لفظ "اور" اور اسکے بعد "تو" کا لفظ زائد ہے۔ صفحہ ١٧١ پر حریم کا لفظ مونث استعمال کیا گیا ہے۔ صفحہ ١٩٠ پر علمبردار کی جگہ پرچم بردار کا لفظ محض تکلف ہے۔ اس طرح کی چند معمولی سی فرو گذاشتیں ہر علمی کتاب میں پائی جاتی ہیں مگر بہر حال قابل توجہ ہیں۔ اسی کے ساتھ بلیغ فقروں میں بعض طویل بحثیں بڑی خوبصورتی سے سمیٹ دی گئی ہیں مثلاً صفحہ ١٧٢ پر ہے " اسلام اس معنی میں کوئی قدیم حقیقت نہیں کہ اسکے

لئے کوئی چیز نئی ہو وہ درحقیقت زندگی کی روح ہے اور روح قدامت کے زمان و مکاں سے بلند اک حقیقت ہے" صفحہ ۱۷۳ پر " قرآن عزیز نے انسانوں کو وہ اصول عطا کر دیئے ہیں جو زندگی کے قوام اور اسکی حقیقت سے وابستہ ہیں" صفحہ ۱۹۰ پر " نقل کے لئے ضروری ہے ماقبل کی روایات میں اتصال ہو، استنباط کے لئے ضروری ہے کہ متقدمین کے مذہب سے پوری واقفیت ہو" صفحہ ۱۹۱ پر " جس زندگی میں ماضی کی صالح قدروں سے بغاوت ہے وہ زندگی جنون و جرم ہے ـــ بحیثیت مجموعی کتاب اس قابل ہے کہ ہر لائبریری کی زینت بنے اور ہر ذی نظر کے مطالعہ میں آئے۔ "آثار امام" جس اسلوب اور جس عزم و ارادہ سے شائع ہوئی ہے اور اسکے مرتب نے اپنی فکری و قلمی تربیت کے جس پس منظر کی طرف اشارہ کیا ہے اس سے نہ صرف یہ کہ مرتب کے خوش آئند رجحانات کا پتہ چلتا ہے، بلکہ یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ ذہن و فکر کی آبیاری کرنے اور علم و تحقیق کی مشعلیں روشن کرنے کے لئے عظیم الشان اداروں اور طویل المیعاد منصوبوں کی احتیاج نہیں ہے۔ کام کرنے والے گوشہ ہائے گمنامی میں بھی بڑے کام کر جاتے ہیں اور

انھی کے چراغ سے بے شمار محفلوں کے چراغ

(عالی)

الدرس العربی

(۱) اَلْكِتَابُ - کتاب (۲) اَلْقَلَمُ - قلم (۳) اَلرَّسُوْلُ - رسول، پیغمبر (۴) اَلْوَلَدُ - لڑکا
(۵) اَلتَّاجِرُ - بیوپاری (۶) اَلْبَيْتُ - گھر (۷) اَلْحُجْرَةُ - کمرا (۸) اَلشَّجَرُ - درخت

(۹) صَفْحَةٌ - ایک یا کوئی صفحہ (۱۰) رِئْبَشَةٌ - ایک یا کوئی [illegible] (۱۱) مَدِيْنَةٌ - ایک یا کوئی شہر (۱۲) كُرَّاسَةٌ - ایک یا کوئی کاپی
(۱۳) اِبْنَةٌ - ایک یا کوئی بیٹی (۱۴) خَادِمَةٌ - ایک یا کوئی نوکرانی (۱۵) نَافِذَةٌ - ایک یا کوئی کھڑکی (۱۶) وَرَقَةٌ - ایک یا کوئی پتّا

نمبر ۱ سے ۸ تک ہر کلمہ (لفظ) اسم مفرد ہے اس سے صرف ایک ہی معنی سمجھے جاتے ہیں اور شروع میں الف لام (ال زائدہ) لگا ہوا ہے آخری حرف پر تنوین نہیں ہے، جب ہم ہے [illegible] میں ایک متعین معنی آجاتے ہیں۔
ہیں، اسکے برخلاف نمبر ۹ سے نمبر ۱۶ تک کے کلمے [illegible] ہے
ہے ایسے کلمے سے جو معنی ذہن میں آتے ہیں وہ پہلے سے متعین [illegible] کی [illegible] کتاب [illegible]
وہ شخص ایسی کتاب دے گا جو پہلے سے [illegible] کتاب کہا جائے گا [illegible] ہم نے
کہا ایک کتاب دو یا کوئی کتاب دو [illegible] وہ شخص کوئی [illegible] (عربی میں) ایسے موقع پر کِتَابٌ
بغیر الف لام اور تنوین کہا جائے گا۔ تو جس اسم سے کوئی متعین معنی سمجھے جائیں وہ معرفہ (PROPER NOUN) اور جس سے
کوئی غیر متعین چیز سمجھ میں آئے وہ نکرہ (COMMON NOUN) کہلاتا ہے۔

ایک بار پھر تمام کلمات پر نظر کیجئے تو دو باتیں مزید معلوم ہوں گی ایک یہ کہ نمبر (۱) سے نمبر (۸) تک سب کلمات عربی قاعدہ کے مطابق مذکر ہیں ان میں سے کوئی لفظ نہ کسی عورت کا نام ہے اور نہ اس کے آخر میں مؤنث کی کوئی علامت (مثلاً ۃ تاء مربوطہ) ہے۔ دوسرے یہ کہ نمبر (۹) سے ۱۶ تک ہر کلمہ کے آخر میں گول تاء ۃ (تاء مربوطہ) ہے جو عربی میں مؤنث کی علامت ہوتی ہے اسلئے یہ تمام کلمات ۹ سے ۱۶ تک مؤنث ہیں۔

قواعد

مُفْرَد :- وہ ہے جس سے صرف ایک ہی معنی سمجھے جائیں جیسے: وَلَدٌ، كِتَابٌ

معرفہ :- وہ اسم ہے جس سے کوئی خاص چیز سمجھی جائے۔

نکرہ : وہ اسم ہے جس سے کوئی غیر متعین چیز سمجھی جائے۔

مذکر :- وہ اسم ہے جو کسی مرد کا نام ہو یا اسکے آخر میں کوئی علامت تانیث نہ ہو۔

مؤنث :- وہ اسم ہے جو کسی عورت کا نام ہو یا اسکے آخر میں علامات تانیث میں سے کوئی علامت ہو جیسے مثلاً گول تا ۃ (تاء مربوطہ) کہ جس اسم کے آخر میں ہوگی وہ عربی میں مؤنث ہوگا بشرطیکہ وہ کسی مرد

المرکب الاضافی

ِیْشَۃُ الْقَلَمِ ۔ قلم کا نب

صْفْحَۃُ الْکِتَابِ ۔ کتاب کا صفحہ

مَدِیْنَۃُ الرَّسُوْلِ ۔ رسول کا شہر

ُرَّاسَۃُ الْوَلَدِ ۔ لڑکے کی کاپی

اِبْنَۃُ التَّاجِرِ ۔ بیوپاری کی بیٹی

خَادِمَۃُ الْبَیْتِ ۔ گھر کی نوکرانی

ا فِذَۃُ الْحُجْرَۃِ ۔ کمرے کی کھڑکی

وَرَقَۃُ الشَّجَرِ ۔ درخت کا پتّا

(۹) رَبُّ السَّمٰوٰتِ ۔ آسمانوں کا مالک یا پروردگار

(۱۰) نُوْرُ السَّمٰوٰتِ ۔ آسمانوں کی روشنی

(۱۱) نَصْرُ اللّٰہِ ۔ خدا کی مدد

(۱۲) اَمْرُ اللّٰہِ ۔ خدا کا حکم

(۱۳) عَبْدُ اللّٰہِ ۔ خدا کا بندہ

(۱۴) رَسُوْلُ اللّٰہِ ۔ خدا کا پیغامبر

(۱۵) یَوْمُ الْقِیَامَۃِ ۔ قیامت کا دن

(۱۶) یَوْمُ الدِّیْنِ ۔ بدلہ کا دن

وپر کی مثالوں میں سے ہر مثال دو اسموں سے مرکب ہے اور ہر مثال میں پہلا اسم غیر متعین (نکرہ) اور دوسرا اسم ن (معرفہ ہے) لیکن جب اسم نکرہ کا تعلق دوسرے اسم معرفہ سے کیا گیا تو اب یہ نکرہ نہیں رہا بلکہ متعین نے کی وجہ سے معرفہ ہوگیا۔ مثلاً اگر ہم کہیں صَفْحَۃٌ تو اس سے یہ نہ سمجھ میں آئے گا کہ کس چیز کا صفحہ لیکن اسکا تعلق ایک دوسرے اسم کے ساتھ کرکے یوں کہا جائے صَفْحَۃُ الْکِتَابِ تو اب یہ متعین ہوگیا کہ صفحہ ب کا ہے کاپی یا رجسٹر کا نہیں تو ایسی ترکیب کو جس میں ایک اسم کا لگاؤ دوسرے اسم سے کیا جائے مرکب اضافی جاتا ہے، مرکب اضافی کے پہلے جزء کو مضاف اور دوسرے جزء کو مضاف الیہ کہتے ہیں۔

قاعدہ

اف :- وہ اسم نکرہ ہے جس کا لگاؤ کسی دوسرے اسم سے کیا جائے اور اُس دوسرے اسم کے ذریعہ اس میں تعین ہو جائے جیسے رِیْشَۃُ الْقَلَمِ میں رِیْشَۃُ ۔ صَفْحَۃُ الْکِتَابِ میں صَفْحَۃُ۔

مضاف پر نہ الف لام لگایا جاتا ہے اور نہ آخر میں تنوین۔

اف الیہ :- وہ اسم ہے جس کے ساتھ کسی اسم کا تعلق (لگاؤ) ظاہر کیا جائے جیسے رِیْشَۃُ الْقَلَمِ میں الْقَلَم

مضاف الیہ کے آخری حرف پر کسرہ (زیر ـِـ) ہوتا ہے۔

ٹ : عربی میں پہلے مضاف اور پھر مضاف الیہ ہوتا ہے برخلاف اردو کے کہ اس میں پہلے مضاف الیہ اور پھر مضاف ا ہے اور ان دونوں کے درمیان اضافت کو ظاہر کرنے کیلئے کا، کے، کی لگایا جاتا ہے مثلاً ہم کہتے ہیں کا دروازہ تو اس میں گھر مضاف الیہ کا حرف اضافت اور دروازہ مضاف ہے عربی ترجمہ اس طرح ب گے بَابُ الْبَیْتِ ۔ بابؔ مضاف اور البیت مضاف الیہ ہوگا۔ اور پہلے کلمہ کا نکرہ ہونا اور دوسرے اسم پر کسرہ (زیر) حرف اضافت کا کام دے گا۔ ......

دروازہ گھر

الدرس العربي

من صحافة اليوم

إنَّ "الكويت" إمارةٌ عربيّةٌ تقعُ علَى
السّاحلِ الشّمالِي الغربيّ مِنَ الخليجِ العربيّ
عددُ سكّانِها يزيدُ على ٣٦٠ الف نسمةٍ
في الوقتِ الحاضِرِ، ويتضاعفُ باطّرادٍ مستمرٍّ

کویت خلیج عرب کے شمالی مغربی ساحل پر واقع
ایک عربی ریاست ہے۔
(اسکے باشندوں کی تعداد) اسکی آبادی اس وقت ساڑھے
تین لاکھ نفوس سے زائد ہے اور وہ تیزی کیساتھ مسلسل بڑھ رہی ہے

إنَّ دخلَ المواطنِ الكويتيّ يبلغُ أضعافَ
دخلِه في أيّ قطرٍ عربيٍّ.
* إنَّ معظمَ وارداتِ الكويت تُوزّعُ على
جميعِ المشاريعِ العمرانيّةِ في البلادِ.
إنَّ مطارَ الكويتِ الدّوليّ ستكونُ بِه
مُدرّجاتٌ كهربائيّةٌ لإيصالِ الرّاكِبِ
"أوتوماتيكيًّا" إلى الطّائرةِ على طِرازِ لندن.
* يوجدُ في كلّ منزلٍ بالكويت راديو
(مِذياعٌ) ومِروحةٌ وثلّاجةٌ
* وكثيرٌ مِنَ المنازِلِ مكيّفةٌ بالهواءِ
* التّجارةُ حرّةٌ في الكويت... وإنَّ
أقصى رسمٍ على البضائعِ هو ٤٪
والمستشفياتُ كلّها حكوميّةٌ

کویتی باشندے کی آمدنی ہر عرب ملک کے باشندے
سے کئی گنا زیادہ ہے۔
کویت کی آمدنی کا بڑا حصہ ملک کے ترقیاتی پلانوں
(منصوبوں) پر لگا دیا جاتا ہے (تقسیم کر دیا جاتا ہے)
لندن کی طرح عنقریب کویت کے بین الاقوامی ہوائی
اڈے پر بجلی کے خود کار زینے ہوں گے جو مسافر کو ہوائی
جہاز پر پہنچائیں گے
کویت کے ہر گھر میں ریڈیو، پنکھا اور ریفریجریٹر
(ٹھنڈا کرنے والی مشین) موجود ہے۔
اور بہت سے مکانات ایئر کنڈیشن ہیں۔
کویت میں تجارت پر پابندی نہیں ہے۔ اشیاء پر بڑے
سے محصول چار فیصد ہے۔
اس میں تمام ہسپتال سرکاری ہیں۔

توجدُ في الكويت أحدثُ مطبعةٍ في الشّرقِ
الأوسطِ وهي ملحقةٌ بدارِ المطبوعاتِ
التي يبلغُ عددُ موظّفيها حوالي ٧٠٠ شخصٍ

کویت میں مشرق وسطی کا جدید ترین پریس ہے جسکا تعلق
دار المطبوعات سے ہے۔ دار المطبوعات کے ملازمین کی
تعداد سات سو کے لگ بھگ ہے۔

*

... علمی اکیڈمی نے ایک اہم خبر شائع کی ہے جو اہم ترین علمی انکشاف کی حیثیت رکھتی ہے .

... فِي تَوْجِيهِ مَوْجَاتٍ بِالرَّادِيُو إِلَى سَطْحِ كَوْكَبِ الزُّهَرَةِ .

روسی سائنس داں ستارہ زہرہ پر ریڈیائی لہریں بھیجنے میں کامیاب ہو گئے .

تَوَصَّلَ فَرِيقٌ مِنَ الْفَنِّيِّينَ الْأَمْرِيكِيِّينَ . . . . إِلَى اخْتِرَاعِ آلَةٍ مُصَوِّرَةٍ تَسْتَطِيعُ أَخْذَ صُوَرٍ لِلْقَذَائِفِ وَالصَّوَارِيخِ فِي حَالَةِ انْطِلَاقِهَا فِي رَائِعَةِ النَّهَارِ .

امریکی . . . . ماہرین کی ایک جماعت ایک ایسا کیمرہ ایجاد کرنے میں کامیاب ہو گئی ہے جو دن میں میزائلوں اور راکٹوں کی روانگی کے وقت ان کے فوٹو لے سکے گا .

وَهٰذِهِ الْآلَةُ تَتَأَلَّفُ مِنْ ١٩ مِنْظَارٍ كَبِيرٍ مَرْصَدِيٍّ .

یہ آلہ (کیمرہ) انیس بڑی رصد گاہی دوربینوں سے مرکب ہے

*　*

الكلمات المفردة

*

حُرَّةٌ : آزاد ـــ

نَسَمَةٌ : انسان . ایک شخص .　　عمرانیّ : ترقیاتی .　　أَقْصَى رَسْمٍ : بڑے سے بڑا، زیادہ سے زیادہ کسٹم

في الوَقْتِ الحاضِرِ : آجکل　　مَطَارٌ : ہوائی اڈہ　　مُسْتَشْفَيَات : و : مُسْتَشْفَى : ہسپتال .

يَتَضَاعَفُ : بڑھ رہا ہے　　الدَّوْلِي : بین الاقوامی

اِطِّرَاد : کثرت　　مُدَرَّجات كَهْرَبائِيَّة : بجلی کے زینے　　أَحْدَثُ : بالکل نیا . جدید ترین

مُسْتَمِرٌّ : لگاتار، مسلسل، برابر　　رَاكِب : پاسنجر . مسافر　　أَذَاعَ : نشر کیا . شائع کیا

دَخْلٌ : آمدنی　　طِرَاز : طرز . نمونہ　　المَجْمَعُ العلمي . . . . . اکیڈمی

مُوَاطِنٌ . ملک کا رہنے والا . (ہم وطن)　　اوتوماتيكيًّا : اوٹومیٹک طریقہ پر (خود بخود)　　تحقیقاتی ادارہ

أهذا مُوَاطِنُهُ : یہ اسکا ہم وطن ہے　　مِرْوَحَةٌ : پنکھا . مروحة كهربائية بجلی کا پنکھا　　نَبَأٌ خَطِير : اہم خبر

قُطْرٌ : ملک　　يُعْتَبَرُ : سمجھا جا رہا ہے، حیثیت دیجا رہی ہے

مُعْظَمُ شَيْءٍ : کسی چیز کا بڑا / اکثر حصہ　　راديو (مِذْيَاعٌ) ریڈیو　　اِكْتِشَاف : جدید تحقیق . انکشاف

وَارِدَات : و : وَارِدَة . آمدنی . پیداوار　　ثَلَّاجَةٌ ریفریجریٹر　　بالغ الاهمية : اہم ترین

تَوَزَّعُ : تقسیم کیجاتی ہے　　مكيّف الهواء . مكيّفة بالهواء . ایرکنڈیشن .　　توجيه : بھیجنا . روانہ کرنا

المَشَارِيع - و : مشروع : پلان، منصوبہ　　قَذِيفَة . میزائل　　فَنِّيّ : ماہر . آلَةٌ مُصَوِّرَةٌ : کیمرہ کھینچنے والی

صَارُوخ : راکٹ . مِنْظَار : دوربین . مَرْصَدِيّ : رصد گاہ میں استعمال ہونے والی

عصر حاضر کے تقاضوں کی روشنی میں

حدیث کی ایک عظیم جدید تشریح

معارف المشکوٰۃ

٭

- اسلامی طرز زندگی کا وہ درخشاں آئینہ جس میں مومن کو عکس نظر آئے گا
- سنت رسول کی وہ تابناک شمع جس کی ضیا پاشیوں سے قلب و نظر جگمگا اٹھیں گے۔
- ارشادات نبوی کا وہ روشن مینار جو کاروان زندگی کو صراط مستقیم دکھلائے گا۔

اسلام کی دعوت سمجھنے کے لئے قرآن فہمی ضروری ہے اور قرآن فہمی کے لئے مطالعہ حدیث ناگزیر ہے۔ پورے ذخیرہ حدیث میں مشکوٰۃ کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ وہ ایسی تمام صحیح روایات پر مشتمل ہے جو پوری انسانی زندگی کی رہنمائی کے لئے کافی ہیں۔

معارف المشکوٰۃ — سلیس اردو میں "مشکوٰۃ" کی عام فہم تشریح و ترجمانی اور اس کی قدیم شرح "مظاہر حق" کی نئی ترتیب ہے جس میں عہد سلف کا مواد عہد حاضر کی زبان میں استعمال کی گئی ہے اور جس کی ترتیب میں اس عہد کے فکر و نظر کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ ایک بالغ نظر، شگفتہ قلم اور باخبر عالم کی طویل محنتوں کا حاصل یہ عظیم شاہکار — بالاقساط ایک ایک جزء کی شکل میں شائع ہو رہا ہے۔ توقع ہے کہ ۳۰ جلدوں میں اس کی تکمیل ہوگی۔

خصوصیات

٭

احادیث مع اعراب	سلیس اردو ترجمہ	سیر حاصل تشریح
ایمان پرور مباحث	معقول طرز استدلال	دلنشین لب و لہجہ
عصری تقاضوں کی رعایت	روایات کے حوالے	راویوں کے احوال
	بسیط و نفیس مقدمہ حدیث	

اشاعتی پروگرام اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیے

اشاعتی پروگرام

ہر ماہ ۲۰×۳۰/۸ سائز کے تقریبا سو صفحات پر ایک جزء شائع ہو رہا ہے، ہر جزء کی قیمت دو روپے علاوہ محصول جو حضرات اس پروگرام کے مستقل ممبر بننا چاہیں وہ ایک روپیہ فیس ممبری ارسال فرمادیں، ان کی خدمت میں ہر جزء سوا روپے میں اور مع محصول دو روپے میں بھیجا جائے گا۔ اگر پانچ ممبر ہر ماہ ہر جزء کے ۵ نسخے ایک ساتھ ایک پتے پر منگوائیں تو انھیں ہر ماہ ۵ نسخوں کی وی پی آٹھ روپے میں پہنچے گی۔

خصوصی رعایت

چونکہ ہر ماہ رجسٹری کا خرچہ تقریبا ۵۷ نئے پیسے عام طور پر ممبران کو گراں محسوس ہوتا ہے اسلئے ان کی سہولت کے پیش نظر یہ رعایت دی جارہی ہے کہ جو ممبران ڈیڑھ روپے فی جزء کے حساب سے چار جزء کی قیمت پانچ روپے اور فیس ممبری کا ایک روپیہ کل چھ روپے بذریعہ منی آرڈر روانہ کردیں ان کی خدمت میں ہر ماہ ایک جزء بذریعہ بک پوسٹ روانہ کیا جاتا رہے گا۔ اس طرح ہر ممبر کو ہر جزء پر پچاس نئے پیسے کی خصوصی رعایت ہو جائے گی۔ گویا اس صورت میں بغیر کسی مزید خرچ کے ممبران کو ہر جزء ڈیڑھ روپے میں پہنچتا رہے گا۔ جب ابتدا کے چار جزء ممبران کے پاس پہنچ جائیں تو اگلے چار جزء کے لئے پانچ روپے بھیجدیں۔ یوں ترتیب کے ساتھ پوری کتاب ممبران کی خدمت میں پہنچ جائے گی کم وقت اور کم خرچ میں —

اشاعت حدیث کے اس رعایتی پروگرام
سے فائدہ اٹھائیے

یہ مشکوٰۃ شریف کی تازہ ترین اور پسندیدہ شرح ہے جو ہندو پاکستان میں ہر جگہ طلب کی جارہی ہے

ناشر

اشاعت منزل دیوبند یوپی

ALQASIM MONTHLY DEOBAND (U.P.)